بارات اور جہیز کا تصور

مفاسد اور حل

از

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

مشیر: وفاقی شرعی عدالت - پاکستان

بارات اور جہیز کا تصور

مفاسد اور حل

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

مشیر: وفاقی شرعی عدالت۔ پاکستان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

عرضِ مؤلف

عہد رسالت اور عہدِ صحابہ وتابعین، یہ تینوں دور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی رُو سے خیرالقرون (بہترین زمانے) ہیں۔

اسلام کے ان بہترین زمانوں میں شادی بیاہ کا مسئلہ بالکل سادہ اور نہایت آسان تھا۔ایک دوسرے کو پسند کر لینے کے بعد نسبت طے ہو جاتی تھی جس کو عربی میں خِطبہ اور اردو میں منگنی کہا جاتا ہے۔

یہ زبانی عہد و پیمان ہوتا تھا۔اس میں لین دین اور باہم تحفہ تحائف کا کوئی سلسلہ نہ تھا۔

پھر جب نکاح کا پروگرام بنتا تو تاریخ کا تعین کر کے لڑکے والے گھر کے چند افراد کو ساتھ لے کر لڑکی والوں کے گھر جاتے اور نکاح پڑھ کر لڑکی کو اپنے گھر لے آتے۔اس کے لئے نہ برات کا کوئی سلسلہ تھا اور نہ جہیز، بری اور زیورات کا اور نہ دیگر تکلفات کا۔

اس دوطرفہ تعلق یا فرائض کی ادائیگی میں نہ لڑکے والوں پر کوئی بوجھ پڑتا اور نہ لڑکی والوں پر۔دونوں ہی سکھی رہتے۔یہی اسلامی تعلیمات اور اسوۂ رسول کا تقاضا تھا جس پر خیرالقرون کے مسلمانوں نے عمل کر کے دنیا کو اسلامی تمدن و معاشرت کا بہترین نمونہ دکھلایا اور اپنی عظمت کا سکّہ منوایا۔

آج اس کے بالکل برعکس ہم اپنے اسلام اور اس کی تعلیمات سے دور ہو گئے تو ہماری عظمت بھی ایک قصۂ پارینہ بن گئی ہے اور رسوم و رواج کی وہ بیڑیاں بھی ہم نے اپنے گلوں کا ہار بنالی ہیں جن کو ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ نے کاٹ کر پھینک دیا تھا۔نتیجۃً ہماری شادیاں ایک عذاب بھی بن گئی ہیں اور شیطنت کا ایک بدترین نمونہ بھی۔الا ماشاءاللہ۔

اسی کی ضروری تفصیل آئندہ صفحات میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

ربیع الاول ۱۴۳۴ھ / جنوری ۲۰۱۳ء

(حافظ) صلاح الدین یوسف
124/40 شاداب کالونی، علامہ اقبال روڈ،
گڑھی شاہو، لاہور۔موبائل: 0321-4133675

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بارات کا تصور، مفاسد اور حل

شادیوں میں بارات کا رواج کب سے شروع ہوا؟ یعنی پورے خاندان، برادری اور دوست احباب کا ایک جم غفیر اور انبوہ کثیر کو لے کر لڑکی والوں کے گھر جانا۔

تاہم یہ بات تو واضح ہے کہ عہد رسالت و عہد صحابہ و تابعین یعنی دور خیر القرون میں اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔ صرف گھر کے چند افراد جاتے اور خاموشی اور سادگی کے ساتھ گھر کے ایک کونے میں بیٹھ کر نکاح پڑھ کے لڑکی کو اپنے ہمراہ لے آتے، شرعاً نکاح میں اعلان ضروری ہے اور یہ اعلان طرفین کے گھر والوں کے سامنے ہو جاتا تھا، نیز ولیمے میں مزید لوگوں کے علم میں آ جاتا۔

اب جو بارات کا عام رواج ہے جس کے بغیر شادی کا تصور بھی ممکن نہیں۔ اس کے بے شمار مفاسد ہیں۔ ان میں سے چند بڑے مفاسد حسب ذیل ہیں۔

ا۔ سارے دوست احباب اور خاندان اور برادری کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنا، اسراف (فضول خرچی) ہے۔ پہلے خود لڑکے والوں کو تمام مہمانوں کے بیٹھنے اور خاطر تواضع کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ قریبی رشتے داروں کے لیے تو یہ انتظام کئی کئی دن کے لیے کرنا پڑتا ہے۔ پھر ان سب کو ساتھ لانے اور لے جانے کے لیے بسوں اور گاڑیوں کا انتظام اس پر مستزاد۔ اس سے بھی پہلے شادی کارڈوں کی اشاعت کا مسئلہ آتا ہے جو پہلے تو سادہ سے کارڈ چھپوا کر اطلاع کا اہتمام کر لیا جاتا تھا، اب اس میں بھی پیسے والوں نے بڑی جدتیں اختیار کر لی ہیں اور اتنے اتنے گراں کارڈ چھپنے لگے ہیں کہ ان کو دیکھ کر اس قوم کی فضول خرچی پر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ علاوہ ازیں زیادہ قریبی رشتے دار (بہنیں اور بیٹیاں اور ان کی اولاد) تو کئی کئی دن پہلے آ کر شادی والے گھر

میں ڈیرے ڈال لیتی ہیں اور مختلف رسموں (مایوں، مہندی وغیرہ) کے علاوہ کئی کئی راتیں مسلسل ڈھولکیاں بجاتیں اور اہل محلّہ کی نیندیں خراب کرتی ہیں۔

پھر نکاح والے دن بقیہ خاندان اور احباب وغیرہ جمع ہو کر ایک لاؤ لشکر کی صورت میں لڑکی والوں کے گھر جاتے ہیں جس کی ضیافت اور ٹھہراؤ کے لیے کسی شادی ہال یا کسی بڑے مکان کا انتظام لڑکی والوں کو کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح ان کو ایک بہت بڑا بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے، جن کے پاس وسائل کی فراوانی ہوتی ہے ان کے لیے تو یہ بوجھ کوئی اہمیت نہیں رکھتا لیکن جن کے پاس زیادہ وسائل نہیں ہوتے ان کو بھی خواہی نخواہی یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے چاہے وہ زیر بار ہو جائیں اور اس بوجھ کے اتارنے میں وہ سالہا سال پریشان رہیں۔

۲۔ جب لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے اور اللہ سے بے خوفی کے نتیجے میں یہ تصور بھی عام ہے کہ یہ خوشی کا موقع ہے اس وقت جو چاہیں کر لیں، اس کا جواز ہے، چنانچہ بڑی بڑی شیطانی حرکتیں کی جاتی ہیں اور باراتی ان سے خوب محظوظ ہوتے ہیں، اس طرح سب گناہ میں شریک ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات لڑکی والوں کی طرف سے بھی ان کا مطالبہ اور اصرار ہوتا ہے۔ یوں دونوں خاندان اور ان کے سارے عزیز و اقارب اجتماعی طور پر نہایت دھڑلے سے اللہ کی نافرمانیاں کرتے اور شریعت اسلامیہ کی دھجیاں اڑاتے ہیں جب کہ اسلامی تعلیم کی رو سے انفرادی گناہ جو خفیہ اور چھپ کر کیا جائے، اگرچہ وہ بھی گناہ ہے لیکن اگر کوئی گناہ کا کام کھلم کھلا لوگوں کے سامنے کیا جائے، تو اس جرم کی شناعت و قباحت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

كل امتي معافى إلّا المجاهرين ...... ''میری امت کے سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں سوائے ان گناہ گاروں کے جو کھلم کھلا گناہ کا ارتکاب کرنے والے ہوں گے۔''

الحدیث (صحیح البخاری: الادب، باب ٦٠، حدیث ٦٠٦٩)

اجتماعی طور پر کیے جانے والے یہ گناہ جو باراتیوں کے ہجوم میں اور ان کی وجہ سے کیے جاتے ہیں،

حسب ذیل ہیں:

☆ بینڈ باجوں کا اہتمام جن کی شیطانی دھنوں سے لوگ محظوظ ہوتے ہیں حتٰی کہ ان پر نوٹوں کی بارش کی جاتی ہے جس کا نام ویل دینار کھا ہوا ہے۔

☆ آتش بازی، جو ''گھر پھونک، تماشہ دیکھ'' کی مصداق ہے، ہزاروں روپے اس پر اڑا دیے جاتے ہیں۔

☆ ہوائی فائرنگ، جس کی زد میں آئے دن بعض باراتی یا اڑوس پڑوس کے لوگ آجاتے ہیں اور موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

☆ بھنگڑا اور لڈیاں ڈالنا، اس کا رواج بھی بڑھتا جا رہا ہے حتٰی کہ بعض باراتوں میں یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ خواتین بھی اس میں شریک ہو جاتی ہیں۔

☆ پیسے لٹانا، پہلے تو ریز گاری کی شکل میں تھوڑی سی رقم ہی اس پر خرچ ہوتی تھی، اب یہ رسم نوٹوں تک پہنچ گئی ہے جس سے اس مد پر بھی ہزاروں روپے برباد کیے جاتے ہیں۔

☆ قریبی رشتے دار اور دوست احباب دولہا کو نوٹوں والے اور دیگر انواع واقسام کے ہاروں سے لاد دیتے ہیں جن کا بوجھ اس کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے، یہ بھی فضول خرچی ہی کی ایک مد ہے۔

☆ یہ بارات جب لڑکی والوں کے ہاں (ہال یا گھر میں) پہنچتی ہے، تو نوجوان لڑکیاں اور یکسر بے پردہ عورتیں دونوں طرف ہاتھوں میں پھولوں کے تھال پکڑے ہوئے دولہا اور باراتیوں کا استقبال کرتی ہیں اور ان پر گل پاشی کرتی ہیں۔ یہ بھی بے پردگی کی ایک ایسی بے ہودہ رسم ہے جس کی توقع کسی مسلمان مرد عورت سے نہیں کی جا سکتی۔

☆ بارات کے ساتھ کرائے کے مووی فلم میکر ہوتے ہیں جو ان ساری خرافات کو بھی اور ہال میں ہونے والی ساری کارروائی کو بھی (نکاح کی تقریب سے لے کر دلہن کی رخصتی تک) فلم بند کرتے

ہیں اور ایک ایک سین کو بالخصوص خواتین کے مختلف پوزوں کو اور دلہن کے ایک ایک پوز کو محفوظ کرتے ہیں اور بعد میں دونوں خاندانوں کے گھروں میں بے حیائی کے ان مظاہر کو بڑی دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے۔

☆ بارات میں خواتین کا بھی ایک ریلا شریک ہوتا ہے جو سب بے پردہ، نہایت بھڑکیلے، زرق برق، حتیٰ کہ عریاں اور نیم عریاں لباس میں ملبوس، نہایت بے ہودہ میک اپ اور سولہ سنگھار سے آراستہ اور زیورات میں لدی پھندی ہوتی ہیں۔ گویا وہ شادی کی ایک بابرکت تقریب میں نہیں بلکہ وہ مقابلہ حسن یا آرائش وزیبائش اور بے پردگی و بے حیائی کے مقابلے میں شریک ہونے کے لیے جارہی ہیں۔

☆ اب بہت سی جگہوں پر مخلوط اجتماع بھی ہونے لگے ہیں، یعنی مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ حصے نہیں ہوتے، کھانے کا الگ الگ انتظام نہیں ہوتا، بلکہ بغیر کسی تفریق اور پردے کے مرد اور عورت کے لیے ایک ہی ہال اور کھانے کی میزیں بھی مشترکہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

☆ آخر میں مراثیوں کا ایک غول آجاتا ہے جو الٹی سیدھی ہنسانے والی باتیں ہانک کر اور بڑکیں مار کر باراتیوں سے (ویلیں) وصول کرتے ہیں۔

☆ اور بعض جگہ اور بعض خاندانوں میں مجرے کا رواج ہے یعنی مخنث (ہیجڑے) نسوانی لباس اور نسوانی ناز وادا اور ناچ گا کر باراتیوں کا دل لبھاتے ہیں اور ان سے خوب ویلیں وصول کرتے ہیں اور باراتی ان پر بھی نوٹوں کی بارش برساتے ہیں۔

☆ کھانے کے موقعے پر بھی اکثر و بیشتر عجیب ہڑبونگ مچتی ہے، کھانے پر لوگ اس طرح ٹوٹ کر پڑتے ہیں، جیسے مویشیوں کو چارہ کھرلی میں ڈال کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ یأ کلون کما تأ کل الانعام کے مصداق ہوتے ہیں یا جیسے بھوکے گدھ ہوتے ہیں یا جیسے ایسے وحشی اور گنوار قسم کی قوم کے افراد ہوں جن کو کبھی کھانا نصیب نہیں ہوا یا جن کا کوئی تعلق تہذیب وشائستگی سے نہیں

ہے۔علاوہ ازیں ہر شخص اپنی اپنی پلیٹوں کو اس طرح بھر لیتا ہے کہ اکثر وہ اس سے کھایا ہی نہیں جاتا اور آدھی آدھی پلیٹیں بھری ہوئی چھوڑ دیتے ہیں، وہ سارا کھانا کوڑے میں پھینک دیا جاتا ہے۔حالانکہ اس صورت حال کے پیش نظر میزبان ضرورت سے زیادہ وافر مقدار میں کھانا تیار کرواتا ہے اور یہ اندیشہ قطعاً نہیں ہوتا کہ کسی کو کھانا نہیں ملے گا۔بعض دفعہ کسی میز پر بیرے کو دوبارہ کھانا لانے میں ذرا دیر ہو جاتی ہے تو لوگ معمولی سا انتظار کرنے کے بجائے ہوٹنگ شروع کر دیتے ہیں۔ بد اخلاقی اور تہذیب و شائستگی سے عاری یہ مظاہر اتنے عام ہیں کہ ہم ان تقریبات میں غیر مسلم اشخاص کو بلانے کی جسارت نہیں کر سکتے کہ وہ یہ سب کچھ دیکھ کر ہم مسلمانوں کے اخلاق و کردار کے بارے میں کیا تاثر قائم کریں گے کہ یہ اسی مسلم قوم کے وارث ہیں جن کے اسلاف نے دنیا کو مکارم اخلاق اور تہذیب و شائستگی کا درس دیا تھا اور جن کے پیغمبر بھی خلق عظیم کے مالک تھے اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔جس کے بہترین نمونے ان کے پیروکاروں (صحابۂ کرام و تابعین عظام) نے دنیا کے سامنے پیش کیے اور دنیائے انسانیت میں معلم اخلاق کے نام سے معروف ہوئے۔

یہ سارے مظاہر، جن کے کچھ نمونوں کی تفصیل آپ کے سامنے پیش کی گئی، ایک تو سراسر اسراف و تبذیر میں داخل ہے جن کے مرتکبین کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اخوان الشیاطین (شیطانوں کے بھائی) قرار دیا ہے۔

دوسرے، قدم قدم پر اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب ہے۔

تیسرے، ڈنکے کی چوٹ پر علانیہ بڑے بڑے گناہوں کی جسارت ہے جس کی کسی مسلمان سے توقع نہیں کی جاسکتی۔

چوتھے، بد اخلاقی اور بد تہذیبی کے مظاہر ہیں جن کی توقع کسی بھی مہذب اور شائستہ قوم سے نہیں کی جاسکتی، چہ جائیکہ اسلام کے ماننے والے ان کا ارتکاب کریں؟

تمام مذکورہ خرافات کے بعد آخر میں فوٹو سیشن ہوتا ہے جس میں مرد وعورت سب اسٹیج پر یا اور کسی نمایاں جگہ پر جمع ہوتے اور باری باری دولہا اور دلہن کے ساتھ فوٹو کھنچواتے ہیں، یہ سراسر بے پردہ اور مخلوط اجتماع ہوتا ہے۔

ان تمام مفاسد اور خرابیوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ اور ایک ہی حل ہے کہ باراتوں کا سلسلہ ختم کیا جائے اور مختصر چند لوگ لڑکی والوں کے گھر جائیں، لڑکی والے بھی اپنا پورا خاندان جمع کرنے کے بجائے چند ضروری افراد ہی کو اس تقریب میں شریک کریں اور گھر کے ایک کمرے ہی میں نکاح کر کے حسب استطاعت مہمانوں کی ضیافت کر کے اپنی بچی کے ہمراہ ان کو رخصت کر دیں۔ اس طرح اس تقریب کے لیے نہ شادی ہال کی بکنگ کی ضرورت ہوگی، نہ مہمانوں کے لیے درجنوں کے حساب سے دیگوں، مختلف ڈشوں اور دیگر اشیائے طعام کی۔ نہ عورتوں کی بے پردگی و بے حیائی کا فتنہ اور نہ بینڈ باجوں، آتش بازی اور نہ مووی فلموں کی حیا سوز فتنہ انگیزی اور نہ دیگر بے شمار خرابیوں کا ظہور، جس کی تفصیل گزشتہ سطور میں پیش کی گئی ہے۔

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القرآن الحکیم) کیا کوئی ہے ان نصیحتوں پر کان دھرنے والا؟ سادگی اور اسلامی تعلیمات کو اختیار کرنے والا؟ اور لوگوں کی ناراضی اور لومتہ لائم (ملامت گروں کی علامت سے) سے بے خوف ہو کر صرف اللہ کو راضی کرنے والا؟

بارات میں عورتوں کی شرکت کے مزید مفاسد

لڑکی والوں کے گھر جاتے وقت سوائے گھر کی خواتین کے (بیٹے کی ماں اور بہنوں کے) خاندان کی عورتوں اور دوست احباب کی بیگمات کو قطعاً ساتھ نہ لے جایا جائے اس لیے کہ شادیوں میں عورتوں کی شرکت بھی بے شمار مفاسد کا باعث ہے۔

۱۔ عورتوں میں سادگی کا تصور بالکل ختم ہو گیا ہے، حالانکہ حکم یہ ہے کہ عورتیں بالکل سادہ لباس میں باپردہ گھر سے باہر نکلیں۔ جب کہ ہوتا یہ ہے کہ خاندان میں کسی کی شادی کی اطلاع ملتے ہی گھر کی

خواتین مردوں کو مجبور کرتی ہیں کہ گھر میں (بچیوں اور بیوی سمیت) تمام خواتین کے لیے کم از کم دو دو سوٹ اعلیٰ قسم کے تیار کیے جائیں۔ ایک نکاح والے دن اور دوسرا ولیمے والے دن کے لیے کیونکہ خاندان کی ساری عورتوں نے ان کو دیکھنا ہے۔ دونوں دن ایک ہی سوٹ میں اور سادہ لباس میں ملبوس ہونے کی صورت میں ان کی سبکی ہوگی۔

محدود آمدنی والے مرد کے لیے اپنے محدود بجٹ میں اس کے لیے گنجائش نکالنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں لباس اور اس کی سلائی کے علاوہ۔ سادگی کا تصور ختم ہونے کی وجہ سے۔ میک اپ اور سولہ سنگھار کا سامان کا بھی مہیا کرنا ضروری ہوتا ہے اور آنے جانے کے لیے کرائے کی گاڑی بھی ضروری ہے۔

جو صاحب حیثیت گھرانے ہیں ان کی بیگمات کا، مذکورہ اخراجات کے علاوہ۔ زیورات کے نئے طلائی سیٹ کا مطالبہ ہوتا ہے۔ گھر میں پہلے جو سیٹ بلکہ بعض کے ہاں کئی کئی سیٹ ہوتے ہیں، ان کا کہنا ہوتا ہے وہ پرانے ہیں یا فلاں کی شادی میں میں نے وہ پہنے تھے، اب وہی سیٹ اس شادی میں میں نے نہیں پہننا ہے۔ اور آج کل کے زن مرید قسم کے شوہر یہ مطالبے بھی پورے کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

اور اب بہت سی خواتین میک اپ کے لیے بیوٹی پارلروں کی خدمات بھی حاصل کرتی ہیں اور وہاں سے اپنے بال، چہرہ اور ہر چیز سیٹ کروا کر شادیوں میں شریک ہوتی ہیں تاکہ وہ لباس اور زیورات ہی میں نہیں بلکہ حسن و جمال اور آرائش و زیبائش میں بھی یکتا اور ممتاز نظر آئیں۔

پھر ان تکلفات و تصنعات میں پردے کا اور نماز پڑھنے کا اہتمام کیوں کر ممکن ہے؟ چنانچہ ہماری شادیوں میں ان سب کا تصور ختم ہوگیا ہے۔ پردہ کریں گی تو آرائش و زیبائش کے یہ مناظر لوگوں کو کب نظر آئیں گے؟ اور نماز کے لیے وضو کریں گی تو میک اپ کا سارا مصنوعی حسن بہہ جائے گا اور چہرے کی اصل رنگت اور اصل خدوخال نمایاں ہو جائیں گے۔

یہ عورتیں جب شادی والے گھر یا شادی ہال میں اکٹھی ہوتی ہیں تو ان کی نظریں دیگر تمام عورتوں کے لباس، زیورات اور میک اپ کا جائزہ لیتی ہیں۔ اگر وہ ان سب میں ممتاز ہوتی ہیں تو اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے، شیطان ان کے اندر تفاخر اور تکبر کا احساس اور اپنے سے کمتر عورتوں کی تحقیر کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے بلکہ بعض دفعہ تو سادہ مزاج قسم کی عورتوں کی بابت اس قسم کے تبصرے بھی ان کے نوک زباں پر آ جاتے ہیں کہ فلاں کو دیکھو! اللہ نے ان کو سب کچھ دیا ہے لیکن یتیموں اور فقیروں کے سے لباس میں یہاں آئی ہیں، یعنی یہ سادگی، جو اللہ کو پسند ہے، شیطان صفت ان عورتوں کو بری لگتی ہے۔

☆ یہ عورتیں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں تو اکثر و بیشتر ان کی باہم گفتگو کا موضوع ایک دوسرے کی غیبت اور ایک دوسرے پر لعن طعن ہوتا ہے۔ اللہ کا ذکر شاذ و نادر ہی ان کی زبانوں پر آتا ہے۔

☆ مووی فلم میں، جو آج کل شادیوں کا (بارات میں بھی اور ولیمے میں بھی) ایک لازمی حصہ بن گیا ہے، ان بے پردہ اور فیشن پرست عورتوں کے ایک ایک سین کو محفوظ کر کے ان کے حسن و جمال اور بناؤ سنگھار اور لباسوں کی تراش خراش بلکہ عریانی و نیم عریانی کو عام کر کے دونوں خاندانوں میں ان کی نمائش کا اہتمام اور ان کا چرچا ہوتا ہے حالانکہ عورتوں کی یہ ساری خوبیاں اور آرائش و زیبائش کی ساری صورتیں صرف خاوند کے لیے جائز اور اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ لیکن بے چارہ مرد تو اپنی بیوی کو اپنے گھر میں بالعموم اس کے برعکس حالت میں دیکھتا ہے کیونکہ عورتیں اپنے خاوند کے لیے اس طرح کی آرائش و زیبائش کا اہتمام نہیں کرتیں جب کہ ان کو اس کے سامنے بناؤ سنگھار کرنے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ حکم ہے لیکن جب ان کو باہر جانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس طرح بن سنور کر نکلتی ہیں کہ اللہ کی پناہ، بالخصوص شادیوں میں تو اس کی بے پردگی، اس کا نیم عریاں لباس، میک اپ، غازہ و لپ سٹک، اس کی ایک ایک حرکت و ادا ایک غارت گر دین و ایمان اور رہزن تمکین و ہوش، کسی الھڑ حسینہ، دل ربا چنچل بازاری عورت

سے کم نہیں ہوتی حالانکہ اس کو حکم یہ ہے کہ وہ گھر سے باہر نکلے تو باپردہ اور سادگی سے نکلے، حتیٰ کہ اس کی خوشبو کی مہک بھی کسی مرد کو محسوس نہ ہو۔

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

"ایما امرأۃ استعطرت فمرت علی قوم لیجدوا من ریحھا فھی زانیۃ"

"جو عورت خوشبو لگا کر (باہر نکلتی ہے اور) لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے تاکہ وہ اس کی خوشبو سونگھ لیں تو وہ بدکار ہے"

سنن النسائی، الزینة، باب ما یکرہ للنساء من الطیب، حدیث: ۵۱۲۹۔

سنن ابی داود، الترجل، باب فی طیب المراۃ للخروج، حدیث: ۵۱۷۳۔

احادیث میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ ایک عورت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزری تو انہوں نے اس سے خوشبو مہکتی ہوئی سونگھی، انہوں نے پوچھا: اے اللہ کی بندی! کیا تو مسجد میں آئی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: اور مسجد میں آنے کے لیے تو نے خوشبو لگائی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: میں نے اپنے محبوب پیغمبر ابوالقاسم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"لا تقبل صلاۃ لامرأۃ تطیبت لھذا المسجد حتی ترجع فتغسل غسلھا من الجنابة"

"اس عورت کی نماز مقبول نہیں جو خوشبو لگا کر مسجد میں آتی ہے جب تک کہ وہ واپس جا کر اس طرح کا غسل نہ کرے جو جنابت کا غسل ہوتا ہے"

سنن ابی داود، الترجل، حدیث: ٤١٧٤

اس سے اسلامی تعلیمات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک عورت کو مسجد میں جانے کے لیے بھی خوشبو لگا کر جانے کی اجازت نہیں ہے تو دوسری کسی بھی جگہ معطر اور مزین ہو کر جانے کی اجازت

کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور جو اس طرح جاتی ہے اس کے دل میں اسلامی تعلیمات کا احترام اور ان پر عمل کا جذبہ کتنا ہے؟

☆ نکاح کے بعد عورتوں کے اجتماع اور حصے میں ایک اور رسم کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے اور وہ ہے کہ دولہا میاں اپنے دوستوں کے ہمراہ اس حصے میں جاتے ہیں اور وہاں دولہا دلہن کو ایک ساتھ بٹھا کر تمام خواتین کے سامنے دودھ پلائی کی رسم ادا کی جاتی ہے اس کے علاوہ دولہا دولہن سب کے سامنے ایک دوسرے کے منہ میں مٹھائی ڈالتے ہیں۔ اس موقعے پر دونوں خاندانوں کی خواتین کے علاوہ دولہا کے قریبی دوست بھی وہاں موجود ہوتے ہیں۔ ستم ظریفی کی حد یہ ہے کہ دیندار خاندانوں میں بھی اس رسم کو معیوب نہیں سمجھا جاتا اور اسے بلا تکلف ادا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ دولہا بھی۔ سوائے ماں، بہنوں اور ساس کے۔ تمام عورتوں کے لیے غیر محرم اور اس کے ساتھ اس کے دوست بھی غیر محرم ہوتے ہیں بلکہ دوست تو دلہن کے لیے بھی غیر محرم ہیں۔ لیکن سب کے سامنے بے حیائی کی یہ رسم ادا کی جاتی ہے اور ویڈیو والے یہاں بھی یہ تمام مناظر فلمانے کا کام جاری رکھتے ہیں۔

☆ دلہن کی رخصتی کے وقت بھی عجیب عجیب مناظر دکھائی دیتے ہیں، حتیٰ کہ بعض خاندانوں میں قرآن پکڑ کر اسے دلہن کے سر پر چھتری کی طرح تان کر قرآن کا اس پر سایہ کیا جاتا ہے۔ گویا قدم قدم پر ہر کام میں اللہ کی نافرمانی اور قرآنی تعلیمات کی مٹی پلید کرنے کے باوجود ہم قرآن سے اس جذباتی تعلق کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں: یا اللہ! دیکھ لے اس سب خود فراموشی اور خدا فراموشی کے بعد بھی بطور تبرک تیرے قرآن کریم ہی کو استعمال کر رہے ہیں۔ یہ قرآن کریم کے ساتھ کتنا بھونڈا مذاق ہے۔ اعاذ نا اللہ منه،

کیا روزِ محشر اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں سے نہیں پوچھے گا کہ کیا قرآن کریم میں نے صرف اسی لیے نازل کیا تھا کہ تم اس کو حریر و ریشم کے غلافوں میں لپیٹ کر گل دستۂ طاق نسیاں بنا کر رکھ دینا اور

اپنے کاروبار میں، معاملات زندگی میں اور اپنی معاشرتی تقریبات (شادی بیاہ وغیرہ) میں اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھنا، تاہم اس کو کبھی کبھی تبرک کے طور پر یا مردے بخشوانے اور کھانے پر فاتحہ پڑھنے کے لیے استعمال کر لیا کرنا۔

تا کہ تم اللہ کو، دنیا کو اور اپنے نفسوں کو یہ دھوکہ دیتے رہو کہ تم قرآن کریم کو ماننے والے ہو۔ سچ فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے:

﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ؕ ﴾

(البقرۃ:۹)

''یہ اللہ کو اور اہل ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں اور ان کو یہ پتہ ہی نہیں کہ دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں''

☆ شادی کے اختتام پر مرد حضرات اپنی اپنی خواتین کو لینے کے لیے ہال کے گیٹ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ماشاء اللہ سب خواتین چونکہ بے پردہ، ہر طرح کے فیشن سے آراستہ نیم عریاں لباسوں میں ملبوس اور الٹے سیدھے میک اپ سے اپنے چہروں کو اور پلکوں کو بزعم خویش سجایا بھڑکایا ہوتا ہے تو کیا باہر نکلتے ہوئے یہ عورتیں مردوں کے سامنے سے بلا جھجھک نہیں گزرتی ہیں؟ اور کیا مرد رنگ ونور کے اس سیلاب سے، یا حسن و جمال کے اس جلوہ ہائے بے تاب سے یا بکھرتے اور دھنکتے اس قوس قزح سے محظوظ نہیں ہوتے؟ کیا بے حیائی و بے پردگی کے ان مناظر اور مظاہروں کی اسلام میں کوئی گنجائش ہے؟ اور جن مسلمان کہلانے والے مردوں نے اپنی بیگمات، بیٹیوں اور بہنوں کو اس بے حیائی کا مظہر بننے کی اور۔ بے حیا باش وہر چہ خواہی کن۔ کا مصداق بننے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے، کیا وہ اس کے ذمے دار نہیں ہیں؟ اگر وہ واقعی مسلمان ہیں تو کیا اس بے غیرتی کا ان کے پاس کوئی جواز ہے؟ کیا انہوں نے کبھی سوچا ہے اسلام کی اس طرح مٹی پلید کرنے پر وہ اللہ کو کیا جواب دیں گے، بارگاہ الٰہی میں کس طرح سرخ رو ہوں گے؟

کیا اس جواب سے ان کا چھٹکارا ہو جائے گا کہ بیوی / یا بیٹی نہیں مانتی تھی؟ یا ہمارے معاشرے کا رواج ہی یہ تھا کہ شادی بیاہ کے موقعے پر شریعت کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا تھا؟ یا اگر ہم اپنی خواتین کو سادہ لباس اور باپردہ لے جاتے تو لوگ ہمیں دقیانوسی خیال کرتے اور یہ پھبتی کستے۔ ع

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ، انہیں کچھ نہ کہو۔

کیا اس قسم کے جوابات سے ہماری چھوٹ ہو جائے گی؟

پس چہ باید کرد؟

بہر حال یہ صورت حال نہایت المناک ہے اور اہل دین کے لیے ایک لمحۂ فکریہ۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سب شادیوں میں تو ایسا نہیں ہوتا، بلاشبہ یہ بات صحیح ہے لیکن بات تو چند افراد یا چند شادیوں کی نہیں بلکہ قوم کی حیثیت مجموعی کی ہے۔ رسم و رواج اور بے حیائی کا یہ طوفان اور دینی اقدار و روایات سے یکسر انحراف کا یہ سیلاب اتنا عام اور تیز ہو گیا ہے کہ بڑے بڑے دین دار گھرانے اور خاندان بھی اس کی لپیٹ میں آ رہے ہیں اور دولت اور وسائل کی فراوانی کی وجہ سے ان کے اندر بھی دین کی پابندی کے بجائے شان و شوکت کے اظہار کا جذبہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ سے بہت سی مذکورہ خرابیاں دین داروں کی خواتین میں بھی عام ہوتی جا رہی ہیں۔ مثلاً:

ا۔ امیرانہ شان و شوکت کا اظہار۔ ان کی خواتین نے ظاہری طور پر تو پردہ کیا ہوا ہوتا ہے لیکن پردے کے پیچھے وہی زرق برق لباس کی نمائش، زیورات کی نمائش، میک اپ اور آرائش کی نمائش، تفاخر اور برتری کا احساس وغیرہ۔

یہ چیزیں کمتر حیثیت کی خواتین کے اندر احساس محرومی پیدا کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ فضول خرچی کے علاوہ معاشرے کے محروم طبقات کے اندر احساس محرومی کے جذبات پیدا کرنا بھی شرعی طور پر ناپسندیدہ ہے۔

۲۔ پھر مائیں تو پردے کا کچھ اہتمام کر لیتی ہیں لیکن ان کے ساتھ ان کی نوجوان یا قریب

البلوغت بچیاں ہوتی ہیں، وہ اکثر بے پردہ بھی ہوتی ہیں اور مذکورہ فیشنی مظاہر سے آراستہ بھی۔

۳۔علاوہ ازیں دین دار خاندانوں کے سارے رشتے دار بھی یا تو دین دار نہیں ہوتے یا دینی اقدار و روایات کے زیادہ پابند نہیں ہوتے۔ نیز ان کے قریبی احباب میں بھی بہت سے دین سے بہت دور ہوتے ہیں۔ان کی خواتین بھی جب بارات اور ولیمے میں شرکت کرتی ہیں تو وہ اسی بے پردگی اور اس کے لوازمات کا مظہر ہوتی ہیں جس کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

۴۔ بڑی باراتوں اور ان کی ضیافت کے لیے دین داروں کو بھی وسیع پیمانے پر انتظامات کرنے پڑتے ہیں، شادی ہال کا اور انواع واقسام کے کھانوں کا۔ جو فضول خرچی ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

۵۔لڑکی کی شادی ہو یا لڑکے کی۔شادی والے گھر ہی میں کئی کئی دن چراغاں ضروری نہیں ہوتا بلکہ گلی، چوراہوں میں بھی اس کا اہتمام ہوتا ہے اور دین دار ہوں یا غیر دین دار، سب ہی اس کا اہتمام کرتے ہیں حالانکہ خوشی کے موقعے پر چراغاں کرنا مسلمانوں کا شیوہ کبھی نہیں رہا۔ یہ آتش پرستوں کی رسم ہے جسے ہندوؤں نے اختیار کیا اور ہندوؤں سے میل جول کی وجہ سے یہ مشرکانہ رسم مسلمانوں میں بھی آگئی۔

یہ چند مفاسد وہ ہیں جو دین دار گھرانوں اور خاندانوں میں بھی عام ہوتے جارہے ہیں اور ان سے بچنے کا داعیہ اور جذبہ کمزور سے کمزور تر ہوتا جارہا ہے۔

سخت آپریشن اور دینی غیرت اختیار کرنے کی ضرورت

جب بیماری شدید اور ناسور خطرناک ہوجائے تو بیماری اور ناسور کے خاتمے اور بیمار کی زندگی کو بچانے کے لیے آپریشن ناگزیر ہوجاتا ہے اور یہ ناگوار اقدام مریض سے ہمدردی اور محبت کا تقاضا ہوتا ہے۔

شادی بیاہ کی رسمیں، جن میں بارات بھی ایک مرحلہ ہے، خطرناک ناسور کی صورت اختیار کرگئی

ہیں۔ اس مریض قوم اور اس ناسور بھرے معاشرے کے معالج اور ہمدرد صرف اور صرف اہل دین ہیں، اس لیے معاشرے کے ان پھوڑوں (ناسوروں) کی نشتر زنی انہی کی ذمے داری ہے۔ وہ اپنی ذمے داری کو محسوس کریں۔ لوگوں کی باتوں سے نہ ڈریں، طعن و تشنیع کی پروانہ کریں اور بغیر لومتہ لائم کے خوف کے اس بیمار قوم کے آپریشن کا آغاز کریں اور اس کے لیے ابتدائی قدم یہ ہے کہ اپنے گھر سے اسے شروع کریں۔ بالخصوص جو اصحاب حیثیت دینی خاندان اور افراد ہیں، وہ ہمت کریں اور فوری طور پر بارات کا سلسلہ ختم کریں۔ بے شک اللہ نے ان کو سب کو کچھ دیا ہے، وہ سینکڑوں نہیں، ہزاروں افراد پر مشتمل باراتوں یا ان کی ضیافت کا اہتمام کر سکتے ہیں، لیکن اللہ نے یہ دولت فضول خرچی کے لیے نہیں دی ہے، اس پر تو آپ سے باز پرس کی جاسکتی ہے، اس دولت کو صحیح مصارف پر خرچ کریں جس کی ہمارے معاشرے میں سخت ضرورت ہے۔ اس کی مزید وضاحت ان شاء اللہ ہم جہیز پر گفتگو کے ضمن میں کریں گے۔

پاکستان میں ڈاکٹر اسرار صاحب مرحوم کی ''تنظیم اسلامی'' نے اس کا آغاز کیا ہوا ہے اور اس تنظیم سے وابستہ افراد کی ایک معقول تعداد نے باراتوں کا سلسلہ موقوف کیا ہوا ہے۔ یہ ایک مستحسن اقدام ہے جسے اختیار کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

یہ صرف ایک تنظیم یا اس سے وابستہ افراد کا کام نہیں ہے، یہ ایک دین کا تقاضا ہے جو سارے اہل دین کے مل کر کرنے کا کام ہے۔ صرف ایک تنظیم کے چند افراد کا یہ کردار قابل تعریف ہونے کے باوجود معاشرے میں اس کے اثرات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس کی حیثیت کسی صحرا میں پکار یا نقار خانے میں طوطی کی صدا سے زیادہ نہیں ہے۔

ملک میں اہل دین کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو دینی شعور اور اس کی تعلیمات سے بہرہ ور بھی ہے، دینی اقدار و روایات سے وابستگی کا جذبہ بھی اس کے اندر ہے اور بے دینی و بے حیائی کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے پریشان اور اس کا رخ موڑنے کی خواہاں بھی ہے لیکن بے عملی، ایمانی

و دینی غیرت وحمیت کے فقدان اور ہوا کے رخ پر ہی بغیر کسی مزاحمت کے، چلتے جانے کی روش نے اتنی بڑی تعداد کو بے حیثیت بنایا ہوا ہے۔

بنا بریں ضرورت عملی اقدامات کی ہے، ایمانی غیرت وحمیت کے مظاہرے کی ہے، ایک مضبوط تحریک برپا کرنے کی ہے اور تمام دینی جماعتوں سے وابستہ دین دار افراد کے یہ عہد کرنے کی ہے کہ وہ باراتوں میں شریک نہیں ہوں گے اور خود بھی بارات کے بغیر شادی کریں گے تاکہ مذکورہ خرافات سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں اور قوم کے سامنے دین کا ایک عملی، سچا نمونہ پیش کریں۔

دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا
اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی

لڑکی والوں کے گھر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

بعض لوگ کہتے یا سمجھتے ہیں کہ باراتیوں کے لیے لڑکی والوں کے گھر کھانا کھانا ناجائز ہے، اسی طرح لڑکی والوں کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ لڑکے والوں کے ساتھ آنے والے باراتیوں کی مہمان نوازی کریں۔ ایسا سمجھنا صحیح نہیں، یہ وہ غلو ہے جو ناپسندیدہ ہے۔

نکاح کی غرض سے لڑکی والوں کے گھر آئے ہوئے حضرات، کم ہوں یا زیادہ، مہمان ہیں اور اکرام ضیف یعنی مہمانوں کی عزت و تکریم اور حسب طاقت وضرورت ان کی خاطر تواضع کا اہتمام نہایت ضروری اور ایمان کا تقاضا ہے۔ البتہ اپنی طاقت سے بڑھ کر محض دکھلاوے کے لیے فضول خرچی کی حد تک اہتمام ناجائز ہے۔ جیسے مثال کے طور پر بارات کسی دوسرے شہر سے آئی ہے اور پھر اسے واپس بھی اسی شہر میں جانا ہے تو ظاہر بات ہے کئی گھنٹوں کے سفر کے بعد تقریب نکاح کے بعد خالی پیٹ رہنا اور پھر اسی طرح رخصتی لے کر بغیر کچھ کھائے پیئے دوبارہ عازم سفر ہو جانا، ناممکن ہے۔ ایسا نہ ہو سکتا ہے اور نہ کیا ہی جا سکتا ہے۔ اس لیے مہمانوں کی

ضیافت ناگزیر ہے اور اس قسم کی صورتوں میں لڑکی والوں کی طرف سے کھانے پینے کا انتظام کرنا اور مہمانوں کا لڑکی والوں کے گھر کھانا دونوں باتیں جائز ہیں، شرعاً ان میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اصل بات جو ہے وہ یہ ہے کہ بھاری بھرکم بارات کا یہ تصور لڑکی والوں کے لیے خواہ مخواہ کا وہ ناروا بوجھ ہے جس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ معاشرے کا وہ ناجائز رواج ہے جو لڑکی والوں کے لیے ایسا تصور ہے جس نے زمانۂ جاہلیت کی طرح لڑکی کی پیدائش کو غم واندوہ اور ماتم وشیون والی چیز بنادیا ہے جس کو اسلام نے آ کر مٹایا تھا اور لڑکی کی پیدائش کو بھی اللہ کی نعمت قرار دیا تھا۔

بارات کے ناروا بوجھ اور دیگر رسم ورواج کے اغلال وسلاسل نے ایک اسلامی معاشرے کو دوبارہ قبل از اسلام کے جاہلی معاشرے میں تبدیل کردیا ہے۔ اور قرآن کریم نے اسلام کی نعمت سے محروم جاہلی معاشرے کی جو یہ کیفیت بیان کی ہے:

﴿وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ﴾ (النحل: ۱۶/۵۸)

"جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم و غصے سے بھرا ہوتا ہے"

یہی کیفیت ہمارے پاک و ہند کے مسلمان معاشروں کی ہوگئی ہے۔ اور اس کی وجہ صرف وہی رسوم ورواج ہیں جو شادیوں کا جزو لاینفک بن گئے ہیں، جن میں بارات، جہیز، بری اور زیورات وغیرہ کی وہ غیر ضروری رسمیں ہیں جن کی بیڑیاں خود ہم نے اپنے پیروں میں ڈالی ہوئی ہیں اور جن کو اتار پھینکنے کے لیے کوئی تیار نہیں۔ نیز اس میں دونوں خاندان برابر کے ملوث ہیں لڑکے والے بھی اور لڑکی والے بھی اور اس سے بھی بڑا المیہ یہ کہ اس سے نہ کوئی دین دار خاندان مستثنیٰ ہے اور نہ غیر دین دار خاندان۔ گویا۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

یاـ

ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے
اس کی زلف کے سب اسیر ہوئے

مسلمان معاشروں سے اس جاہلی کیفیت کا خاتمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک شادی بیاہوں کے ان تکلفات کی بیڑیوں کو کاٹ کر نہیں پھینک دیا جائے گا جن میں ایک بھاری بھرکم بارات کا کروفر کے ساتھ آنا اور پھر شاہانہ انداز میں اس کی ضیافت کرنا شامل ہے۔

☆......☆......☆

مروجہ جہیز کی شرعی حیثیت؟

شادی کی رسومات میں ایک رسم جہیز بھی ہے۔ یہ رسم البتہ ایسی ہے کہ اس کی اصل حیثیت میں اختلاف ہے کہ یہ واقعی دیگر غیر ضروری رسومات کی طرح ایک رسم محض ہے یا کسی لحاظ سے اس کا شرعی جواز بھی ہے؟

ہمارے نزدیک اس رسم کے دو پہلو یا دو رخ یا دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت میں اس کا جواز ہے اور دوسری صورتوں میں ناجائز۔

اس کو سمجھنے کے لیے ان صورتوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے جن کے پیش نظر جہیز کا اہتمام کیا جاتا ہے، یہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ شان وشوکت یا امارت کا اظہار۔

۲۔ نمود ونمائش، شہرت اور تفاخر کا اظہار۔

۳۔ اسراف وتبذیر کی حد تک اس کا اہتمام۔

۴۔ وراثت سے محروم کرنے کا جذبہ۔

۵۔ محض ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی رسم کے طور پر۔

۶۔عدم استطاعت کے باوجود قرض لے کر اس کا اہتمام کرنا۔

۷۔تعاون، ہدیہ اور صلہ رحمی کے طور پر

اول الذکر ساری چھ کی چھ صورتوں میں یہ ایک محض رسم ہے اس لیے ناجائز ہے۔اور اس ناجائز صورت میں اکثر و بیشتر مذکورہ ساری ہی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔اس اعتبار سے یہ جہیز کی رسم تمام مذکورہ خرابیوں کا مجموعہ ہے، اسے کس طرح جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس میں

☆شان و شوکت کا اظہار بھی ہوتا ہے، نمود و نمائش کا جذبہ بھی۔

☆اسراف و تبذیر کی حد تک اس کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس لیے ہر چیز دینے کی کوشش کی جاتی ہے چاہے ان کی ضرورت ہو یا نہ ہو اور لڑکے والوں کے پاس اتنا غیر ضروری سامان رکھنے کی جگہ بھی ہو یا نہ ہو۔

☆جس کے پاس استطاعت نہیں ہوتی، وہ قرض لے کر، حتیٰ کہ قرض حسن نہ ملے تو سود پر قرض لے کر یہ رسم پوری کرتا ہے۔

☆بھرپور جہیز دینے میں وراثت سے محروم کرنے کا جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے۔بالخصوص اصحاب حیثیت اس نیت سے لاکھوں روپے جہیز کی نذر کر دیتے ہیں اور پھر واقعی ان کے بیٹے اپنے صاحب جائداد باپ کی وفات کی بعد اپنی بہنوں کو وراثت سے ان کا شرعی حق نہیں دیتے اور یہی کہتے اور سمجھتے ہیں کہ باپ نے جہیز کی صورت میں اپنی بیٹیوں کو جو دینا تھا دے دیا، اب یہ ساری جائداد صرف بیٹوں کی ہے۔اس طرح یہ رسم ہندوؤں کی نقل ہے۔ہندو مذہب میں وراثت میں لڑکیوں کا حصہ نہیں ہے اس لیے وہ شادی کے موقعے پر لڑکی کو دان دے دیتے ہیں۔

یہی دان کا تصور (وراثت سے محرومی کا بدل) مسلمانوں میں جہیز کے نام سے اختیار کر لیا گیا ہے۔اس اعتبار سے یہ خالص ہندوانہ رسم ہے۔

اگر جہیز میں مذکورہ تصورات کارفرما ہوں تو جہیز کی یہ رسم سراسر ناجائز ہے، اسلام سے اس کا کوئی

تعلق نہیں۔ اس لیے اس کے خلاف بھی جہاد ضروری ہے کیونکہ جہیز دینے والے بالعموم ایسے ہی تصوارت کے تحت جہیز دیتے ہیں اور اس رسم کو بھی پورا کرنا ناگزیر سمجھتے ہیں۔

جہیز کی جائز صورت

البتہ جہیز کی ایک جائز صورت بھی ہے جس کا ذکر ساتویں شکل میں کیا گیا ہے اور وہ ہے تعاون، صلہ رحمی اور ہدیے (تحفے، عطیے) کے طور پر اپنی لڑکی کو شادی کے موقعے پر کچھ دینا۔

اسلام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی بڑی فضیلت ہے، اس طرح ایک دوسرے کو ہدیہ، تحفہ دینے کی بھی ترغیب ہے۔ اور اگر تعاون یا ہدیے کا معاملہ اپنے قریبی رشتے داروں کے ساتھ کیا جائے تو اس کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے اور اس کی بھی بڑی تاکید ہے اور اس کو دگنے اجر کا باعث بتلایا گیا ہے۔

اس اعتبار سے اپنی بچی کو۔ اگر وہ واقعی ضرورت مند ہے یا بطور تحفہ کچھ دینا۔ بالکل جائز، بلکہ مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ

☆ والدین اپنی طاقت کے مطابق اس کی ضروریات پوری کریں۔

☆ اس کے لیے قرض لے کر زیر بار نہ ہوں۔

☆ نمائش اور رسم کے طور پر ایسا نہ کریں۔

☆ ضروریات زندگی کی اس فراہمی میں شادی کے موقعے پر ضروریات کا جائزہ لیے بغیر تعاون کرنا جائز نہیں ہوگا۔ بلکہ شادی کے بعد دیکھا جائے کہ اس گھر میں کن چیزوں کی ضرورت ہے اور لڑکے والے ان کو مہیا کرنے سے واقعی قاصر ہیں، تو ان کو وہ اشیاء مہیا کرنے میں حسب استطاعت ان سے تعاون کیا جائے۔ لیکن حسب ذیل شرائط کے ساتھ۔

☆ اس تعاون کو وراثت کا بدل سمجھ کر اسے وراثت سے محروم کرنے کا جذبہ نہ ہو۔

☆ بیک وقت تعاون کی استطاعت نہ ہو تو مختلف اوقات میں تعاون کر دیا جائے۔

☆ اگر بچی کو گھریلو اشیائے ضرورت کی ضرورت نہ ہو اور والدین صاحب استطاعت ہوں اور وہ بچی کو تحفہ دینا چاہتے ہوں تو داماد کی مالی پوزیشن کے مطابق اس کو ایسا تحفہ دیں جس سے اس کا مستقبل بہتر ہو سکے۔ مثلاً، اس کے پاس سرمائے کی کمی ہے جس کی وجہ سے وہ کاروباری مشکلات کا شکار ہے، اس کو نقد رقم کی صورت میں ہدیہ دے دیا جائے تاکہ وہ اپنا کاروبار بہتر کر سکے، یا اس کو پلاٹ لے دیا جائے تاکہ وہ آہستہ آہستہ اپنا مکان بنا سکے، اگر اس کے پاس مکان نہیں ہے یا وہ مشترکہ خاندان میں رہائش پذیر ہے اور وہاں جگہ کی تنگی ہے ان دونوں صورتوں میں یہ پلاٹ، یا گھر کی تعمیر، یا کاروبار میں مالی تعاون میاں بیوی (بچی اور داماد) کے لیے ایسا بہترین تحفہ ہے۔ جو صرف انہی کے نہیں بلکہ آئندہ نسل کے بھی کام آئے گا۔ نیز تعاون کی ایسی صورت ہے جس میں رسم، نمود و نمائش، بلا ضرورت زیر بار ہونے کی کارفرمائی نہیں بلکہ خیر خواہی اور تعاون کا صحیح جذبہ ہے جو عند اللہ نہایت پسندیدہ ہے۔

یہ جہیز نہیں بلکہ صلہ رحمی، تعاون اور خیر خواہی ہے

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اس صورت کو جہیز نہیں کہنا چاہیے بلکہ یہ تعاون اور صلہ رحمی یا ہدیہ ہے۔ جہیز کا کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے۔ احادیث میں اس مروجہ جہیز کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی متعدد ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی اپنے ساتھ جہیز لے کر نہیں آئی، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی چار بیٹیوں میں سے کسی ایک بیٹی کو بھی۔ قبل از نبوت اور بعد از نبوت۔ جہیز نہیں دیا۔ صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بابت مشہور ہے کہ آپ نے ان کو تین چار چیزیں بطور جہیز دی تھیں۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، اس کا کوئی تعلق مروجہ رسم جہیز سے نہیں ہے، اس کی وضاحت اگلی سطور میں ملاحظہ فرمائیں۔

عربی زبان میں تجہیز (جہیز بنانے) کا مفہوم

جہیز، عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ جہاز (سامان) ہے۔

قرآن مجید میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

﴿ وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ ﴾ (سورۂ یوسف:۵۹)

"جب (یوسف علیہ السلام کے کارندوں نے) برادران یوسف کا (واپسی کا) سامان (سفر) تیار کردیا"

جَهَّــزَ (باب تفعیل) کے معنی ہوں گے، اس نے سامان تیار کیا، ہر موقعے کے لیے الگ الگ سامان ہوتا ہے، اس کے حساب سے اس کے ساتھ یہ لفظ لگ کر اپنا مفہوم ادا کرتا ہے۔ جیسے، جہاز العروس (دلہن کو تیار کرنا) جہاز المیت (میت کا سامان تیار کرنا) جہاز السفر (سفر کا سامان) جہاز الغازی (غازی کو سامان اسلحہ وغیرہ دینا)

احادیث میں یہ لفظ دو موقعوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ایک غازی کے لیے اس کو میدان کارزار میں کام آنے والی اشیاء (خود، زرہ، اسلحہ وغیرہ) مہیا کر کے تیار کرنا۔ دوسرا دلہن کو شب زفاف کے لیے تیار کر کے یعنی اس کو عمدہ لباس وغیرہ سے آراستہ کر کے دولہا کے پاس بھیجنا۔ چنانچہ احادیث میں تین خواتین کا ذکر اس ضمن میں ملتا ہے۔ ایک حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا، دوسرا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اور تیسرا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا۔

ا۔ جنگ خیبر میں واپسی پر رسول ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا تھا، اس حدیث میں آتا ہے

"جهز تها له ام سليم فا هد تها له من الليل"

"حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت صفیہ کو تیار کیا اور ان کو شب باشی کی لیے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا" (صحیح البخاری، الصلاۃ، حدیث ۳۷۱)

۲۔ نجاشی (شاہ حبشہ) کی طرف سے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو، ان کا نکاح بذریعہ وکالت نبی ﷺ کے ساتھ کر کے، نبی ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی حضرت شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ روانہ کیا گیا تھا۔ اس حدیث میں آتا ہے۔

"ثم جهزها من عنده وبعث بها الى رسول الله ﷺ......وجهازها كل من عند النجاشي"

"پھر نجاشی نے حضرت ام حبیبہ کو اپنے پاس سے تیار کیا اور ان کو رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیج دیا......اور ان کی ساری تیاری نجاشی کی طرف سے تھی" (مسند احمد: ٦/ ٤٢٧)

ان دونوں احادیث میں تجہیز دلہن سازی، یعنی دلہن کو عروسی لباس اور آرائش وزیبائش سے آراستہ کرنے کے معنی میں ہے۔ اثاث البیت (گھریلو سامان) دینے کے معنی میں نہیں ہے جس کو آج کل جہیز کا نام دے دیا گیا ہے حالانکہ ان احادیث میں جہیز کا لفظ ان معنوں میں ہرگز استعمال نہیں ہوا ہے۔ مسند احمد میں مزید جہاز کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کا مطلب یہاں حق مہر کی ادائیگی ہے جو کہ سامان آرائش وزیبائش کے علاوہ مکمل طور پر نجاشی ہی کی طرف سے ادا کیا گیا تھا، اس لیے جہازھا کل من عند اللہ کہا گیا ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز؟

۳۔ رہا تیسرا واقعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دینے کا، جس سے جہیز کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟

اس واقعے پر غور وخوض کرنے اور اس سے متعلقہ روایات کے مختلف طرق کا جائزہ لینے سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ اس کا تعلق بھی اثاث البیت (گھریلو سامان ضرورت) سے نہیں ہے بلکہ یہ بھی دراصل دلہن کو پہلی مرتبہ دولہا کے پاس بھیجنے ہی کی تیاری تھی اور اس موقعے پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ کو جو چیزیں دی تھیں، ان کا تعلق رات کو سونے کے لیے کام آنے والی چیزوں

سے تھا، جیسے چادر، تکیہ، پانی کی مشک۔ جیسے سنن نسائی میں ہے۔

"جهز رسول الله ﷺ فاطمه في خميل و قربة و و سادة حشوها اذ خر "

"رسول اللہ ﷺ نے (پہلے پہل حضرت علی کے پاس بھیجنے کے لیے) حضرت فاطمہ کو تیار کیا ایک چادر، مشک اور تکیہ کے ساتھ جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی"

(سنن نسائي، النكاح، جهاز الرجل ابنته، حديث: ٣٣٨٢)

اس روایت میں جھز اور جھاز کے معنی وہی ہیں جو اس سے پہلے حضرت صفیہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما والی دونوں حدیثوں میں اس لفظ کے گزرے ہیں یعنی دلہن کو شب زفاف کے لیے تیار کر کے دولہا کے پاس بھیجنا۔ چنانچہ حضرت صفیہ سے متعلقہ روایت، جس میں آتا ہے کہ:

"جهز تها ام سليم فاهد تها اليه من الليل "

"ان کو حضرت ام سلیم نے تیار کر کے (دلہن بنا کر) شب باشی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا"

امام نسائی باب البناء فی السفر میں لائے ہیں۔ بناء کا لفظ شب زفاف ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ امام نسائی کی اس تبویب اور اس کے تحت جھز تھا والی روایت درج کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ جھز کے معنی دلہن سازی کے ہیں نہ کہ سامان جہیز کے۔

ہماری بیان کردہ وضاحت کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت فاطمہ سے متعلقہ روایت سنن ابن ماجہ میں اس طرح بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لے گئے اور وہ دونوں ایک چادر (خمیل) میں تھے۔

"قد كان رسول الله ﷺ جهزهما بها،و وسادةمحشوة اذ خراً وقربة "

"اس چادر کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو تیار کیا تھا اور ایک تکیہ، اذخر گھاس کا بھرا ہوا، اور ایک مشک بھی عنایت کی تھی"

امام ابن ماجہ نے اس روایت کو باب ضجاع آل محمد ﷺ کے تحت بیان کیا ہے۔ یعنی آل محمد (محمد ﷺ کے گھرانے) کا بستر۔
امام ابن ماجہ کی اس تبویب سے بھی واضح ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے متعلقہ روایت میں جہیز کے معنی شب باشی کے سامان یا شب باشی کے لیے تیار کرنا ہیں نہ کہ مروجہ سامان جہیز کے۔
احادیث میں ان تین واقعات کے علاوہ (سوائے حدیث جہاد من جھز غازیا۔ الحدیث کے) تجہیز کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے، بالخصوص شادی بیاہ کے مسائل میں اور ان تینوں واقعات میں جس سیاق میں یہ لفظ آیا ہے، اس کا وہی مفہوم ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اس سے مروجہ جہیز مراد لینا یکسر بے جواز اور خلاف واقعہ ہے۔ بنابریں پورے یقین اور قطعیت کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مروجہ جہیز کا کوئی تعلق اسلام سے نہیں ہے۔

ستم ظریفی کی انتہا

اور یہ تو ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ لڑکی والوں سے اپنی پسند اور خواہش کے مطابق جہیز کا مطالبہ کیا جائے حالانکہ لڑکی کے ماں باپ کا یہ احسان کیا کم ہے کہ وہ بچی کو ناز ونعمت میں پال کر اور اسے تعلیم وتربیت سے آراستہ کر کے اللہ کے حکم کی وجہ سے اپنے دل کے ٹکڑے کو دوسروں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اس احسان مندی کے بجائے ان سے مطالبات کے ذریعے سے احسان فراموشی کا اظہار کیا جاتا ہے جب کہ اللہ کا حکم احسان کے بدلے احسان کرنے کا ہے۔

﴿هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ (الرحمن: ٥٥/٦٠)

نہ کہ محسن کے لیے عرصۂ حیات تنگ کرنے کا۔ یا بھاری بھر کم جہیز نہ لانے پر لڑکی کا جینا دوبھر کر دینے کا حتیٰ کہ اس کو خودکشی پر مجبور کر دینا۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے مرد کو قوام (عورت کا محافظ، نگران اور بالا دست)

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ (النساء: ٤/٣٤)

بنایا ہے اور اس کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ عورت کی مالی ضروریات پوری کرتا ہے، مرد اپنے اس مقام و مرتبہ کو فراموش کر کے عورت سے لینے کا مطالبہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے سببِ فضیلت (وَّ بِمَآ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ ؕ) معاشی و مالی کفالت کی ذمے داری، کے بھی خلاف ہے اور اس کے شیوۂ مردانگی کے بھی منافی۔ بہر حال جس حیثیت سے بھی اس رسم کو دیکھا جائے، اس کی شناعت وقباحت واضح ہو جاتی ہے۔

شادی بیاہ کی فضولیات اور رسومات پر ایک اخباری فیچر

بارات اور جہیز کے علاوہ شادی سے متعلقہ رسوم ورواج اور دیگر جن جن فضولیات کا اہتمام ہوتا ہے، ان کی تفصیل کافی لمبی بھی ہے اور نہایت ہوش ربا بھی۔

چند سال قبل روزنامہ ''جنگ'' کے ایک فیچر نگار نے ان تفصیلات پر مبنی ایک مفصل فیچر لکھا تھا جو اخبار مذکور کے سنڈے میگزین (۲۰۰۳ء) میں شائع ہوا تھا۔ جو بقول ایک شاعر کے

خوش تر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

کا مصداق ہے۔

یہ فیچر راقم کی کتاب ''مسنون نکاح'' مطبوعہ دارالسلام میں درج ہے۔ قارئین اس کتاب میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

شادی بیاہوں میں اختیار کیے جانے والے طور اطوار احادیث رسول کی روشنی میں

مذکورہ رسومات کے ارتکاب ، ان میں شرکت اور ان سے تعاون میں بڑے بڑے دین دار حضرات بھی کوئی تأمل نہیں کرتے ، ایسے مداہنت پسند حضرات کے لیے چند احادیث مختصر مختصر تبصرے کے ساتھ پیش ہیں تا کہ ان کی روشنی میں اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیا جا سکے۔

ا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْإِيْمَانِ.))

''تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اس کی برائی کا اظہار کرے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

صحیح مسلم، الایمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان، حدیث: ٤٩

وضاحت:...... مرد کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر قوام (حاکم، نگران، سربراہ) بنایا ہے، اس لیے ہر مرد فطری طور پر اپنے گھر کا سربراہ ہے۔ سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ گھر کے سارے افراد کو راہِ راست پر رکھے اور اس سے ان کو منحرف نہ ہونے دے۔ اس خداداد مقام پر فائز مرد کے یہ شایانِ شان نہیں کہ وہ یہ کہے کہ شادی کی رسومات میں بیوی میری بات نہیں مانتی، بچے نہیں مانتے۔ یہ اس کے شیوۂ مردانگی کے بھی خلاف ہے اور یہ عذر بارگاہِ الٰہی میں ناقابل شنوائی بھی۔ علاوہ ازیں دنیاوی معاملات میں کیا کوئی مرد ایسی بے بسی کا مظاہرہ کرتا ہے؟ اگر ہانڈی میں نمک

مرچ کم یا زیادہ ہو جائے تو دونوں صورتوں میں عورت کی شامت آ جاتی ہے۔اس وقت تو عورت کی بے بسی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ مرد کی ناراضی پر چوں بھی نہیں کرتی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ دین ہی ایسا یتیم ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے اس کے ساتھ جو چاہے،سلوک کر لیں،مردوں کے کانوں میں جوں تک نہیں رینگتی۔

مذکورہ حدیث کی روشنی میں ہر مرد سوچ لے کہ منکرات سے یہ سمجھوتہ اس کو ایمان کی کس پستی میں دھکیل رہا ہے۔اعاذنا اللہ منہ

۲۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے،رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ، فَالْاَمِیْرُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْھُمْ، وَالْمَرْاَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ بَعْلِھَا وَوَلَدِہٖ، وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْھُمْ، وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْہُ، اَلا فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رِعِیَّتِہٖ))

’’خبردار!تم سب کے سب نگران اور ذمے دار ہو اور تم سب سے اپنی اپنی رعیت (ماتحتوں) کے بارے میں باز پرس ہوگی۔حاکم وقت،لوگوں پر حکمران،ذمے دار اور نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت (ملک کے عوام) کی بابت باز پرس ہوگی۔مرد اپنے گھر والوں پر نگران ہے اور اس سے ان کی بابت پوچھا جائے گا،عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے اور اس سے ان کی بابت باز پرس ہوگی،غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کی بابت پوچھا جائے گا۔اچھی طرح سن لو!تم سب کے سب نگران اور ذمے دار ہو اور تم سب سے اپنے اپنے ماتحتوں (رعیت) کے بارے میں پوچھا جائے گا۔‘‘

صحیح مسلم، الامارۃ، باب فضیلۃ الامیر العادل، حدیث:۱۸۲۹

وضاحت:......عربی زبان میں راعی کا مطلب ہے،نگران اور ذمے دار،کس چیز کا؟ جو اس کے

ماتحت ہے، وہ ان کی اصلاح کرنے کا، ان کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کرنے کا اور ان کے دین ودنیا کی مصلحتوں کا خیال رکھنے کا ذمے دار ہے۔

مَسْئُوْلٌ کا مطلب ہے، اس سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا، باز پرس ہوگی، کس بات کی؟ اس بات کی کہ اس نے اپنے ماتحتوں کے حقوق کی رعایت کی؟ ان کی دینی ودنیاوی مصلحتوں کا خیال رکھا اور ان کی تعلیم وتربیت کا صحیح اہتمام کیا؟

اس حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا جائے کہ معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں اور شادی بیاہ میں ہونے والی خلاف شرع رسومات وخرافات سے اپنے اپنے ماتحتوں کو بچانے میں کوئی کردار ادا کیا ہے؟ کیا ہے؟ تو وہ کیا ہے؟ ہر گھر کا سربراہ مرد بھی اور عورت بھی اللہ کی بارگاہ میں جانے سے پہلے آخرت کی باز پرس کو سامنے رکھے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَبْغَضُ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ ثَلَاثَۃٌ، مُلْحِدٌ فِی الْحَرَمِ، وَمُبْتَغٍ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ، وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِیٍٔ بِغَیْرِ حَقٍّ لِیُھْرِیْقَ دَمَہٗ))

"لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ اللہ کے ہاں تین شخص ہیں۔ ایک حرم میں بے دینی پھیلانے والا۔ دوسرا، اسلام میں جاہلیت کے طریقے تلاش (اختیار) کرنے والا، تیسرا، ناحق کسی شخص کے خون کا خواہاں، تاکہ وہ اس کا خون بہائے۔"

صحیح البخاری، الدیات، باب نمبر ۹، حدیث: ۶۸۸۲

وضاحت:...... ہماری شادی بیاہوں کی بیشتر رسومات ہندوؤں کی نقالی پر مبنی ہیں یا مغرب کی حیا باختہ تہذیب اور زمانۂ جاہلیت کی خرافات پر۔ گویا قدیم وجدید جاہلیت کا مجموعہ اور اسلامی تعلیمات سے یکسر بے اعتنائی کا نمونہ۔

اس انداز سے شادیاں کرنا، یا ان میں ذوق وشوق سے شریک ہو کر ان کی حوصلہ افزائی کرنا، یہ

اسلام میں جاہلی طریقوں ہی کو فروغ دینا ہے۔ ایسے لوگوں کا اللہ کے ہاں کیا مقام ہے وہ اس حدیث کی دوسری شق سے واضح ہے۔ دنیا میں تو انسان کا ہوا و ہوس میں مبتلا نفس اور شیطان اس کا پتہ نہیں چلنے دیتا لیکن آخرت میں تو ان کی کارفرمائی ختم ہو چکی ہوگی اور اللہ کے ہاں اس کا وہ مقام واضح ہو کر سامنے آجائے گا، جس کا ہیولیٰ اس نے اپنے عمل و کردار سے تیار کیا ہو گیا اور وہ ہے، اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ترین شخص، اور اس روز ناپسندیدہ ترین شخص کا جو مقام ہو گا، اس کا اندازہ رسومات جاہلیہ کا دلدادہ ہر مرد اور عورت کو کر لینا چاہیے۔

۴۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ))

''جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا، تو اس کو خود اس پر عمل کرنے کا اجر بھی ملے گا اور ان کا بھی اجر ملے گا جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے اجروں میں کچھ کمی ہو اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا تو اس پر (اس کے اپنے عمل کا بھی) بوجھ ہو گا اور ان سب کے گناہوں کا بھی بوجھ ہو گا جو اس کے بعد اس برائی پر عمل کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے بوجھوں میں کوئی کمی ہو۔''

صحیح مسلم، الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ، حدیث:۱۰۱۷، و کتاب العلم

وضاحت:...... اس حدیث میں ''اچھا طریقہ'' نکالنے یا جاری کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی طرف سے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کرے، کیونکہ یہ تو بدعت ہو گی جس کی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر بدعت گمراہی اور جہنم میں لے جانے والی ہے۔ بدعت سازی دراصل شریعت سازی ہے، جس کی اجازت کسی کو نہیں ہے۔ بلکہ اچھے طریقے سے مراد کسی ایسے عمل میں پہل کرنا

ہے جو شریعت سے ثابت ہے یا کسی ایسی جگہ پر اس عمل شریعت کو سرانجام دینا ہے، جہاں پہلے لوگوں کو اس کا علم نہیں تھا یا خاندانی رسم و رواج کی وجہ سے اس پر عمل متروک تھا، اس کو کرنے پر دوسروں کو ترغیب ملی اور انہوں نے بھی اس کو اختیار کر لیا، یا کسی جگہ کوئی سنت متروک تھی، کسی ایک شخص کے عمل کرنے پر دوسرے لوگوں نے بھی اس سنت کو اپنا لیا۔ ان تمام صورتوں میں کسی بھی ثابت شدہ نیک عمل کا آغاز کرنے والے، سنت متروکہ کو زندہ کرنے والے اور فراموش شدہ نیکیوں کو یاد کرانے والے کو ان تمام لوگوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے۔ اسی طرح کسی نے اس کے برعکس برائی میں پہل کی یا اس کا کسی جگہ آغاز کیا تو بعد میں اس کو دیکھ کر برائی کے مرتکبین کے گناہوں کا بوجھ بھی اس پہل کرنے یا آغاز کرنے والے کو ملے گا۔

اس حدیث کی روشنی میں شادی بیاہوں کی جاہلانہ رسومات اور اسراف و تبذیر پر مبنی بھاری بھرکم اخراجات، سنت سیئہ (برا طریقہ) ہے۔ کسی خاندان میں اگر سادگی سے نکاح کرنے کا رواج تھا، رسومات سے بچا جاتا تھا۔ لیکن اس خاندان کے کسی فرد نے اگر دولت کے نشے میں اس کے برعکس مروجہ رسومات کے ساتھ شادی کرنے میں پہل کی، یا اس خاندان میں مہندی کی بے حیائی پر مبنی رسم نہیں تھی، اس نے اس خاندان میں اس کا آغاز کیا، پہلے مجرے کا سلسلہ نہیں تھا، اس نے اس کا ارتکاب کیا، وعلیٰ ھذا القیاس، اسی طرح کی دیگر برائیوں میں پہل کرنا ہے۔ تو اس کے بعد اس خاندان میں جتنے لوگ بھی ان میں ملوث ہوں گے، ان کا ارتکاب کریں گے، ان سب کے گناہوں کا بوجھ بھی اس پہل کرنے والے کو ملے گا۔

اسی طرح شادی بیاہوں میں سادگی، پردے کی پابندی، بھاری بھرکم اخراجات سے اجتناب جیسی خوبیاں سنت حسنہ (اچھا طریقہ) ہے۔ جو شخص اپنے خاندان میں اس اچھے طریقے سے شادی کرنے میں پہل کرے گا، بعد میں اس خاندان کے جتنے لوگ اس کی پیروی کرتے ہوئے تمام خرافات و رسومات سے بچ کر شادیاں کریں گے، پہل کرنے والے کو بھی ان سب کی ان نیکیوں

کا اجر۔ ان کے اجروں میں کٹوتی کے بغیر۔ ملے گا۔

یہ دو راستے اور دو طریقے ہیں۔ ایک ڈھیروں اجر وثواب کمانے کا اور دوسرا گناہوں کا ناقابل برداشت بوجھ اپنے اوپر لاد لینے کا۔

﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ...... الاية﴾

اب جس کا جی چاہے، بھلائیوں والا راستہ اپنا لے اور جس کا جی چاہے دوسرا، لیکن اسے یاد رکھنا چاہیے کہ نافرمانی والا راستہ اختیار کرنے والوں کے لیے جہنم کی آگ ہے۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا، اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ اَلْهَبَ فِيْهِ نَارًا))

”جس نے دنیا میں شہرت کا لباس پہنا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا، پھر اس میں جہنم کی آگ بھڑکائے گا۔“

سنن ابن ماجه، حديث:٣٦٠٧۔ سنن ابی داؤد، حديث:٤٠٢٩

وضاحت:...... اللہ تعالیٰ نے اسباب و وسائل سے نوازا ہو تو اظہار نعمت کے طور پر اچھا اور عمدہ لباس پہننا جائز ہے۔ لیکن اس حدیث میں جس لباس شہرت کا ذکر ہے، وہ کون سا ممنوع لباس ہے؟ اس کی چار صورتیں ہیں۔

اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان اس نیت سے لباس فاخرہ پہنے کہ لوگوں میں اس کے لباس کا اور اس کی شان وشوکت کا چرچا ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عام چلن کے برعکس ایسے رنگ کا یا ایسی تراش خراش کا لباس پہنے کہ اس کی اس طرفہ طرازی کی وجہ سے اس کی شہرت ہو۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ریاکاری کے طور پر فقراء و مساکین کے روپ میں رہے تاکہ لوگ اسے

پارسا اور پرہیزگار سمجھیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ محض نمود و نمائش کی نیت سے کسی مخصوص قسم کے لوگوں کا لباس اور ان کے طور اطوار اختیار کیے جائیں۔ جیسے آج کل بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں فلموں میں کام کرنے والے مردوں اور عورتوں کے حیاباختہ لباسوں اور بے ہودہ طور اطوار کی نقالی کرتے ہیں۔

اور ایک پانچویں صورت اور ہے کہ ایسا لباس پہنا جائے کہ لباس پہننے کے باوجود جسم کے نمایاں حصے عریاں ہو۔ اس صورت کی مزید تفصیل اگلی حدیث کے تحت آئے گی۔

شادی بیاہوں میں ہماری عورتوں کا لباس بالعموم۔ ایک تیسری صورت کو چھوڑ کر۔ باقی صورتوں کا مظہر ہوتا ہے۔ اس قسم کے لباسوں پر جو سخت وعید ہے، وہ ہم سب کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ (القمر:۵۴:۲۲) ”کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا؟“

۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((صِنْفَانِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَمْ اَرَهُمَا، قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَاَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيْلَاتٌ مَائِلَاتٌ، رُؤُسُهُنَّ كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا، وَاِنَّ رِيْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ كَذَا وَكَذَا))

”جہنمیوں کی دو قسمیں ہیں، جنہیں میں نے نہیں دیکھا (ابھی ان کا وجود نہیں ہے، مستقبل میں ہو گا) ایک وہ لوگ کہ ان کے پاس کوڑے ہوں گے، گائے کی دموں جیسے، وہ ان سے لوگوں کو ماریں گے (دوسری قسم) وہ عورتیں، جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، مائل کرنے والی اور مائل ہونے والی ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹ کی کوہان کی طرح جھکے ہوں گے، یہ عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی بلکہ اس کی خوشبو تک نہ پائیں گی حالانکہ اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت (یعنی بڑی بڑی دور) سے سونگھی جا سکنے والی ہوگی۔“ صحیح مسلم، اللباس، باب النساء، الكاسيات...... حديث:۲۱۲۸

وضاحت:...... یہ حدیث نبی ﷺ کے معجزات اور اعلام نبوت میں سے ہے۔ آپ نے اس میں جن دو قسم کے لوگوں کی پیش گوئی فرمائی تھی، آج قدم قدم پر اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر عورت کی جن فتنہ سامانیوں اور حشر انگیزیوں کا اس میں تذکرہ ہے، وہ محتاج وضاحت نہیں۔ ذیل میں اس کی کچھ توضیح کی جاتی ہے۔

پہلی قسم سے ظالم قسم کے لوگ مراد ہیں، جو اپنے وسائل، طاقت واقتدار اور جاہ ومنصب کی بنیاد پر لوگوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ کرتے ہیں۔ دنیا میں یہ لوگ طاقت کے نشے میں اندھے اور مغرور ہوتے ہیں اس لیے رحم وکرم کے بجائے ظلم وستم ان کا شعار ہوتا ہے۔ آخرت میں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ اعاذنا الله منه۔

جہنمیوں کی دوسری قسم فیشن ایبل عورتوں کی ہوگی، ان کی حسب ذیل علامات اور خصوصیات ہوں گی۔

ا۔ لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، اس کی تین شکلیں عام ہیں۔

1۔ لباس پہننے کے باوجود ان کے جسم کے بہت سے قابل ستر حصے ننگے ہوں گے، جیسے چہرہ، ہاتھ، یا بازو، گردن اور سینہ (چھاتی) اور گردن کا پچھلا حصہ۔ عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جن کے یہ حصے ننگے ہوتے ہیں حالانکہ یہ سب حصے پردے میں رہنے چاہئیں۔

2۔ ایسا تنگ اور چست لباس پہنا جائے کہ جس سے جسم کے خدوخال ہی نہیں، انگ انگ نمایاں ہو۔

3۔ یا ایسا باریک لباس پہنیں کہ جس سے سارا جسم جھلکتا نظر آئے اور ان کی جلد کی رنگ اور ان کا حسن نمایاں ہو۔

یہ تینوں صورتیں بے پردگی کی ہیں، جن سے مردوں کو دعوت نظارہ ملتی ہے۔ مسلمان خواتین کو جو پردے کی اہمیت کو سمجھتی ہیں، نامحرموں کے سامنے مذکورہ تینوں صورتوں سے بچنا چاہیے، اس کے بغیر پردے کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔

۲۔ مُمِیلَات. کے ایک معنی کیے گئے ہیں، دوسری عورتوں کو بھی مردوں کی طرف راغب کرنے

والیاں، یا اپنے کندھوں کو ناز و ادا سے مٹکا مٹکا کر چلنے والیاں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی چال ڈھال یا ناز و ادا سے مردوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور دوسروں کو بھی بے حیائی کی اس راہ پر لگانا جیسے فلموں اور ڈراموں میں کام کرنے والی حیا باختہ عورتوں کا کردار ہے، اور شادی میں شرکت کرنے والی خواتین کا حال ہے کہ وہ بھی اس موقعے پر انہی کی نقالی کرتے ہوئے لباس، بناؤ سنگھار اور بے پردگی میں انہی کا سا نمونہ بننے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ مووی فلم کے ذریعے سے پورے خاندان میں ان کے حسن و جمال، ان کے لباس اور زیورات اور ان کے سولہ سنگھار کا تذکرہ ہو۔

۳۔ مَـــائِلَات، کے معنی ہیں ناز و ادا سے ایسی چال چلنا جس سے لوگ ان کی طرف مائل اور راغب ہوں۔

۴۔ بختی اونٹ کی مانند ان کے سر ہوں گے، کا مطلب، سر پر جوڑا کر کے ان کو سر کے درمیان اونچا کر کے باندھ لینا۔ یہ فیشن بھی چند سال قبل عورتوں میں عام تھا، اور اب بھی بہت سی عورتیں کرتی ہیں، حتی کہ بعض برقعہ پوش خواتین کے سروں پر بھی اس طرح کی کلغی نظر آتی ہے۔ اس حدیث کی رو سے بالوں کا یہ اسٹائل یا فیشن بھی ناپسندیدہ ہے۔

۷۔ لَعَنَ عَبْدُ اللّٰهِ (بن مسعودٍ) الْوَاشِمَاتِ (وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ) وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ. فَقَالَتْ أُمُّ يَعْقُوبَ: مَا هٰذا؟ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: وَمَالِيَ لَا أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَفِي كِتَابِ اللّٰهِ، قَالَتْ: وَاللّٰهِ لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُهُ فَقَالَ: وَاللّٰهِ لَئِنْ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِيهِ

﴿ وَ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ ﴾ (الحشر:۵۹/۷)

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لعنت فرمائی، جسم گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر، بال اکھڑوانے والیوں پر، حسن کی خاطر، (دانتوں کے اندر) شگاف کرنے والیوں

پر، اللہ کی تخلیق کو بدلنے والیوں پر۔ ام یعقوب (نامی عورت) نے کہا: اے (عبداللہ!) تم یہ کیا کہتے ہو؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا: مجھے کیا ہے کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر اللہ کے رسول نے لعنت کی ہے اور جو اللہ کی کتاب میں لعنتی ہے؟ اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے تو وہ سارا قرآن پڑھا ہے جو دو تختیوں کے درمیان ہے، اس میں تو میں نے یہ چیز (مذکورہ قسم کی عورتوں پر لعنت) نہیں پائی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تو اسے (صحیح سمجھ کر) پڑھتی تو یقیناً تو اس میں یہ بات پاتی کہ (اللہ کے رسول تمہیں جو دیں اسے لے لو (اپنا لو) اور جس سے تمہیں روک دیں، اس سے رک جاؤ۔)''

صحیح البخاری، اللباس، باب المتمصات، حدیث: ۵۹۳۹. مسلم، اللباس، حدیث: ۲۱۲۵

تشریح:...... وَاشِمَات، وَاشِمَة کی جمع ہے، وشم کرنے والی عورت۔ مُسْتَوْشِمَات، جمع ھے مُسْتَوْشِمَة کی، وشم کروانے والی عورت۔ وشم کے معنی ہیں گودنا، جس کا مطلب ہے کہ جسم کے کسی حصے پر سوئی یا اسی قسم کی کسی چیز سے باریک سا سوراخ کرنا حتی کہ خون بہنا شروع ہو جائے، پھر اس میں سرمہ یا کوئی رنگ بھر دینا۔ عام طور پر چہرے یا ہاتھوں پر ایسا کیا جاتا تھا جیسے ہندو عورتیں پیشانی پر سیندور بھرتی یا بندی لگاتی ہیں۔ گودنا بھی اسی قسم کا کوئی فیشن تھا جو زمانہ جاہلیت میں عورتوں میں رائج تھا۔

مُتَنَمِّصَات، مُتَنَمِّصَة کی جمع ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''اس کے معنی ہیں، بال اکھڑوانے والی عورت اور اکھیڑنے والی عورت کو نَامِصَة کہا جاتا ہے (جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔) گویا مُتَنَمِّصَات وہ عورتیں ہیں، جن کے چہروں، یا ابروؤں سے بال اکھیڑے جائیں اور جو عورتیں یہ کام کریں گی، وہ نَامِصَة ہیں۔ یہ بھی اس زمانے کا ایک فیشن تھا کہ پلکوں (ابروؤں) اور چہرے کے اکے دکے بالوں کو اکھیڑا جاتا تھا جیسے آج کل بھی یہ جاہلی فیشن عورتوں میں عام ہے۔ وہ ابروؤں کے بالوں کو اکھیڑ کر مختلف قسم کے

چمکیلے رنگ یا سرمہ وغیرہ اس میں بھر لیتی ہیں۔ حدیث کی رو سے یہ سب لعنتی فعل ہیں۔ تاہم کسی عورت کے چہرے پر داڑھی یا مونچھیں اگ آئیں تو چونکہ یہ معمول کے خلاف بات ہے، اس لیے ان بالوں کا صاف کرنا اس کے لیے جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ ان بالوں سے واقعی عورت کا چہرہ بدنما ہو جاتا ہے۔ اس بدنمائی کو دور کرنا اس کے لیے جائز اور مستحب ہے جب کہ پہلی قسم کا مطلب فیشن کے طور پر اللہ کی پیدائش میں تبدیلی کرنا ہے جس کی اجازت نہیں ہے۔

مُتَفَلِّجَات، مُتفلّجة کی جمع ہے۔ یہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو. فَلَج کرتی یا کرواتی ہے. فَلَج کے معنی ہیں، ثنائی یا رباعی دانتوں کے درمیان کشادگی کرنا۔ یہ وہ عورتیں کرتی تھیں جن کے دانت ملے ہوتے تھے اور وہ ایسا اپنے آپ کو کمسن یا خوب صورت ظاہر کرنے کے لیے کرتی تھیں، کیونکہ کمسن عورتوں کے دانتوں کے درمیان کچھ کشادگی ہوتی ہی ہوتی تھی جو ان کی کمسنی اور حسن کی علامت سمجھی جاتی تھی، اس لیے بڑی عمر کی عورتیں. فَلَج کر کے اپنی عمر تھوڑی اور حسین باور کراتی تھیں، جیسے آج کل بھی عورتوں میں یہ رجحان عام ہے اور اپنی عمر چھپانے کے لیے دسیوں قسم کے فیشن اور میک اپ کرتی ہیں۔

مذکورہ سب کام ایسے ہیں جن پر لعنت فرمائی گئی ہے اور اس کی دو وجوہ ہیں۔

ایک یہ کہ ان سب کاموں میں مقصد دھوکا اور فریب دینا ہے۔ دوسرے، ان میں اللہ کی پیدائش میں تبدیلی کرنے کی مذموم سعی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے حسب ذیل چیزیں واضح ہوتی ہیں۔

عورت زیب و زینت اختیار تو کر سکتی ہے (گو اس کا اظہار صرف خاوند کے سامنے جائز ہے) لیکن اپنے حسن و جمال میں اضافے کے لیے زیب و زینت کے ایسے طریقے اختیار نہیں کر سکتی جن میں دھوکہ اور فریب کا عنصر شامل ہو، یا ان میں اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کا اظہار ہو۔ شادی بیاہوں کے موقعے پر عورتوں کی آرائش و زیبائش میں بالعموم یہ دونوں ہی پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

بیوٹی پارلر کا کاربار حرام ہے:

اس اعتبار سے بیوٹی پارلروں کے ذریعے سے عورتوں میں حسن و جمال اور آرائش و زیبائش کے جو طور طریقے سکھائے جا رہے ہیں اور عورتیں انہیں اختیار کر رہی ہیں، جیسے بالوں کے نئے اسٹائل، بناؤ سنگھار کے ذریعے سے عورت کے حلیے کو بدل دینا، سیاہ فام کو سفید فام اور سفید فام کے رنگ و روغن کو مزید نکھار دینا، ابروؤں کے بالوں کو اکھیڑ کر ان میں سرمہ، روشنائی یا اور اسی قسم کی چیزیں بھرنا، یہ سب کام ممنوع اور حرام ہیں کیونکہ انہیں لعنتی کام کہا گیا ہے۔ جن کے بارے میں اتنی سخت وعید ہو، ان کے جواز کی گنجائش کہاں نکل سکتی ہے؟ اس لیے جس طرح مذکورہ کام حرام ہیں، اسی طرح بیوٹی پارلر کا کاروبار بھی حرام ہے کیونکہ ان میں مذکورہ حرام کام ہی کیے جاتے ہیں یا پھر ان میں مذکورہ چیزوں کی تربیت دی جاتی ہے۔

۸۔ ایک حدیث میں ہے: ((اِنَّ امْرَأَۃً قَالَتْ یا رسولَ اللّٰہ! اِنَّ لِیْ ضَرَّۃً فَھَلْ عَلَیَّ جُنَاحٌ اِنْ تَشَبَّعْتُ مِنْ زَوْجِیْ غَیْرَ الَّذِیْ یُعْطِیْنِیْ؟ فقال: رسولُ اللّٰہِ ﷺ: اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ یُعْطَ کَلَابِسِ ثَوْبَیْ زُوْرٍ))

”ایک عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری ایک سوکن ہے، اگر میں اس کے سامنے کسی چیز کی بابت یہ ظاہر کروں کہ یہ مجھے میرے خاوند نے دی ہے جب کہ وہ چیز اس نے مجھے نہ دی ہو، تو کیا اس سے مجھ پر گناہ ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی ایسے ظاہر کرے کہ یہ چیز، میری ہے (یا مجھے دی گئی ہے) حالانکہ (وہ اس کی نہ ہو) نہ اس کو دی گئی ہو، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مکر و فریب کے دو کپڑے پہنے ہو۔“

صحیح البخاری، النکاح، باب:۱۰۷، حدیث:۵۲۱۹

وضاحت:...... اس حدیث سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک شخص کی دو بیویوں کو آپس میں ایک دوسرے کو جلانے کے لیے (سوکناپے میں) جھوٹ بول کر یہ تأثر دینا منع ہے کہ اس کا

خاوند (دوسری بیوی کے مقابلے میں) اس پر زیادہ مہربان ہے اور اس کو اس نے فلاں چیز لا کر دی ہے جب کہ خاوند کا کردار ایسا تا منصفانہ نہ ہو۔ اس ممانعت سے مقصود جہاں جھوٹی شان وشوکت کے اظہار سے روکنا ہے، وہاں آپس میں فساد اور بگاڑ کا سد باب بھی ہے۔

نبی ﷺ نے اس ممانعت کو جس بلیغ طریقے اور ایک تمثیلی انداز سے بیان فرمایا ہے، اس نے اس ممانعت کے مفہوم میں بڑی وسعت پیدا کر دی ہے جس نے مکر وفریب کی ساری صورتوں کو اور جھوٹے وقار کے سارے طور طریقوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔

ہماری شادی بیاہوں میں اس جھوٹے وقار کا بھی عام مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی عورت کے پاس زیادہ زیور نہیں ہوتا تو وہ شادی میں شرکت کرنے کے لیے مانگے تانگے کا زیور پہن کر جھوٹے وقار (یعنی خلاف واقعہ اپنی امارت) کا اظہار کرتی ہے۔ حتی کہ بعض دفعہ دلہن کو بھی مانگے تانگے کا زیور پہنا کر یہ غلط تأثر دیا جاتا ہے کہ لڑکے والوں نے دلہن کے لیے اتنا زیور تیار کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اور دو تین دن کے بعد وہ زیور دلہن سے لے کر اصل مالکوں کو دے دیا جاتا ہے۔ یہ جھوٹی کاروائی بھی فساد اور بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔

اور اب تو سونے کے بجائے آرٹی فشل زیورات نکل آئے ہیں جو دیکھنے میں بالکل سونے کے معلوم ہوتے ہیں اور ان کی مالیت چند سیکڑے ہوتی ہے جبکہ سونے کے اصل زیورات کی مالیت اب لاکھوں میں ہوتی ہے۔ دھوکہ دہی کی یہ صورت بھی اب اختیار کی جانے لگی ہے۔ بعد میں جب حقیقت حال سامنے آتی ہے تو یہ ملمع سازی بھی فساد ہی کا باعث بنتی ہے۔

اس حدیثِ رسول کی رو سے ملمع سازی اور فریب کاری کی یہ ساری صورتیں ممنوع قرار پاتی ہیں، مانگے تانگے کا زیور پہن یا پہنا کر جھوٹی شان وشوکت کا اظہار یا آرٹی فشل کے زیورات کا استعمال یہ باور کرا کر کہ یہ سونے ہی کے زیورات ہیں۔ یہ سب ناجائز، ممنوع ہیں اور فساد و بگاڑ کا باعث ہیں۔

دکھلاوے اور نمود و نمائش کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟

مکر و فریب کی یہ ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ اس لیے کہ شادیوں میں دیگر بہت سی خرافات کے ساتھ ساتھ سونے کے زیورات کو بھی ایک لازمی حصہ بنا دیا گیا ہے جب کہ ہماری شریعت میں ان رسومات، فضول خرچی، ناروا بوجھ اور نمود و نمائش کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اس کا حل بھی اس کے سوا کوئی نہیں ہے کہ شادی کے اخراجات سے سونے کے زیورات کو بھی یکسر خارج قرار دیا جائے۔

۹۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ))

''میں نے اپنے بعد ایسا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا، جو عورتوں سے زیادہ مردوں کے لیے نقصان دہ ہو۔''

صحیح البخاری...... النکاح، باب: ۱۸، حدیث: ۵۰۹٦

وضاحت: ...... یعنی مردوں کے لیے سب سے بڑا فتنہ عورتوں کا فتنہ ہوگا جو میرے بعد رونما ہوگا۔ حالانکہ عورت کا وجود انسان کے لیے راحت و آسائش اور امن و سکون کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ﴾ (الروم: ۳۰/۲۱)

''اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہارے ہی نفوس (جنس) سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کر دی۔''

علاوہ ازیں عورت کا وجود مرد کے لیے ناگزیر اور انسانی زندگی کے دو پہیوں میں ایک پہیہ ہے۔ اس کے باوجود اس کو مرد کے لیے سب سے زیادہ خطرناک فتنہ کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اس کی وجہ مرد کی یہ کمزوری ہے کہ قوامیت (گھر کی سربراہی، حاکمیت اور نگرانی) کا مقام اللہ تعالیٰ نے مرد کو عطا کیا ہے لیکن ایک تو اس نے عورت کو دینی تعلیم و تربیت سے آراستہ نہیں کیا۔ دوسرے، گھر میں

اپنی قوامیت (حاکمیت) عورت کے سپرد کر کے خود محکومیت کا درجہ اپنے لیے پسند کر لیا، بالخصوص شادی بیاہ کے معاملات اور رسوم و رواج کی پابندی، فیشن پرستی اور اسراف و تبذیر کے مظاہر میں۔ ان تمام معاملات میں مردوں نے بے بسی بلکہ پسپائی اختیار کر لی ہے اور اپنے مردانہ اختیارات عورت کو دے دیے ہیں۔

شادی بیاہ میں وہی ہوگا جو شریعت سے بے پروا عورت کہے گی اور کرے گی، مرد کا کام غلام بے دام کی طرح صرف اس کے حکم کی بجا آوری ہے، حتیٰ کہ عورت کی خواہشات اور مطالبات پورے کرنے کے لیے اس کے پاس اگر وسائل بھی نہیں ہیں تو وہ رشوت لے گا، لوٹ کھسوٹ کرے گا۔ آمدنی کے دیگر حرام ذرائع اختیار کرے گا، قرض لے گا، حتیٰ کہ سودی قرض لینے سے بھی گریز نہیں کرے گا، پھر ساری عمر قرض کے بوجھ تلے کراہتا رہے گا۔

علاوہ ازیں عورت اگر کہے گی تو بننے والے داماد کو سونے کی انگوٹھی پہنا کر اپنی بھی اور اس کی بھی آخرت کی بربادی کا سامان کیا جائے گا، عورت کہے گی تو پورا ہفتہ ڈھولکی وغیرہ کے ذریعے سے اہل محلہ کی نیندیں خراب کی جائیں گی، عورت کہے گی تو مہندی کی رسم میں نوجوان بچیاں سر عام ناچیں گی۔ وعلی ھذا القیاس دیگر رسموں کا معاملہ ہے۔

ظاہر بات ہے مرد کی اس پسپائی اور بے بسی میں اس کے لیے دنیا کی بربادی کا بھی سامان ہے اور آخرت کی ذلت و رسوائی بھی اس کا مقدر ہے۔ کیا ایک مسلمان کہلانے والے مرد کے لیے اس سے بھی بڑا فتنہ کوئی اور ہو سکتا ہے؟ خسر الدنیا والآخرۃ کا یہی وہ فتنہ ہے جس کا اظہار زبان رسالت مآب ﷺ سے ہوا ہے۔

دین دار عورت دین داروں کے لیے فتنہ نہیں ہے:

عورت کا یہ فتنہ انہی لوگوں کے لیے ہے یا ان کے حق میں فتنہ ہے جنہوں نے اپنی مردانگی (قوامیت) سے دست بردار ہو کر اپنی باگ ڈور (زمام کار) عورت کے ہاتھ میں دے دی۔ لیکن جو لوگ اپنی

قوامیت کو برقرار رکھتے ہیں اور عورت کو کسی بھی مرحلے پر شریعت کے دائرے سے نہیں نکلنے دیتے بلکہ اس کو پابند شریعت بنا کر رکھتے ہیں، عورت ان کے لیے کسی بھی مرحلے پر فتنہ ثابت نہیں ہوتی بلکہ ان کی خیر خواہ، معاون اور ہر اچھے کام میں ان کا دست و بازو اور سراپا خیر اور رحمت ہوتی ہے۔

نبی ﷺ نے بھی ایسی نیک عورت کو دنیا کی بہترین متاع قرار دیا ہے۔ فرمایا:

((اَلدُّنْیَا مَتَاعٌ وَخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَۃُ الصَّالِحَۃُ))

''دنیا ایک پونجی ہے اور دنیا کی سب سے بہتر پونجی نیک عورت (بیوی) ہے۔''

صحیح مسلم، النکاح، باب نمبر ۱۷، حدیث:۱٤٦٩

ایک دوسری حدیث میں نیک عورت کی خصلتیں بیان فرمائی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَیُّ النِّسَاءِ خَیْرٌ؟ قَالَ: اَلَّتِیْ تَسُرُّہُ اِذَا نَظَرَ، وَتُطِیْعُہُ اِذَا اَمَرَ، وَلَا تُخَالِفُہُ فِیْمَا یَکْرَہُ فِیْ نَفْسِھَا وَمَالِہِ))1

''رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: کون سی عورت بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ عورت (بیوی) سب سے بہتر ہے جب خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ خوش کن نظر سے اسے دیکھے۔ جب خاوند اسے کسی بات کا حکم دے، تو اسے بجا لائے اور وہ (عورت) اپنے نفس اور خاوند کے مال میں اس کی خواہش کے برعکس ایسا رویہ اختیار نہ کرے جو اس کے خاوند کو ناپسند ہو۔''

سنن النسائی، النکاح، باب ای النساء خیر، حدیث:۳۲۳۳

قرآن مجید میں بھی نیک عورتوں کے لیے قَانِتَات کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ ﴾ (النساء:٤/٣٤) ''نیک عورتیں قانتات ہیں۔''

قانتات، کا مطلب ہے، فرماں بردار، اللہ کی بھی اور خاوند کی بھی۔

اس وضاحت سے مقصود یہ ہے کہ نبی ﷺ نے عورت کو مردوں کے لیے جو نہایت خطرناک فتنہ قرار دیا ہے جس کے شواہد آج ہم دیکھ رہے ہیں، یہ وہ عورتیں ہیں جو شرعی حدود و قیود سے آزاد ہیں، اور

ان کے مرد بھی اپنی غلامانہ ذہنیت اور خود بھی دین سے دور ہونے کی وجہ سے ان عورتوں کو روکنے ٹوکنے اور ان کو راہ راست پر رکھنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ لیکن جن مردوں کی عورتیں دین دار اور دین کی پابند ہیں، اور وہ دینی اقدار و روایات کی بالادستی میں اپنے خاوندوں کی مددگار ہوتی ہیں، وہ فتنہ نہیں ہیں، وہ سراپا خیر و برکت ہیں۔ اسی لیے ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ شادی کرتے وقت دیگر دنیاوی ترجیحات کے مقابلے میں دین دار عورت کا انتخاب کرو۔ تاکہ وہ زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر معاملے میں شریعت کے احکام کو بروئے کار لانے میں مرد کا ساتھ دے، اس کی مخالفت اور اپنی من مانی نہ کرے۔

الغرض شادی بیاہوں کی مذکورہ رسومات اور ان کی حشر سامانیوں سے بچنے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ دین سے ہماری وابستگی برائے نام نہ ہو بلکہ حقیقی ہو اور ہماری خواتین بھی دینی اقدار و روایات کی پابند اور اس کا صحیح نمونہ ہوں جس کا مظاہرہ شادی بیاہ کی تقریبات میں واضح طور ہو۔ وہ شادی کی تقریب اپنے ہی کسی بچے یا بچی کی ہو یا خاندان کے کسی اور گھرانے کی، دیکھنے والے دیکھیں کہ یہ شادی واقعی کسی دین دار خاندان کی ہے یا اس میں شریک ہونے والی خواتین واقعی دین دار، پردے کی پابند، شریعت کی پاس دار اور سادگی کا پیکر ہیں۔

وفي ذلك فليتنافس المتنافسون.

شادی کے موقعے پر دف بجانے کی شرعی حیثیت:

شادی کے مروجہ رسموں میں خوشی کے شادیانے بجانے بھی ہیں، جس کی کئی صورتیں رائج ہیں۔ مثلاً، شادی سے قبل کئی دن تک محلے کی اور قریبی رشتے داروں کی نوجوان لڑکیاں اور عورتیں شادی والے گھر میں راتوں کو گھنٹوں ڈھولکیاں بجاتی اور گانے گاتی ہیں۔ جس سے اہل محلّہ کی نیندیں خراب ہوتی ہیں۔

دسرے نمبر پر برات کے ساتھ بینڈ باجہ کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں فلمی گانوں کی دھنوں پر ساز و آواز کا جادو جگایا جاتا ہے اور اب منگنی کے موقعے پر بھی ایسا کیا جانے لگا ہے۔

تیسرے نمبر پر بہت سے لوگ میوزیکل شو کا اہتمام کرتے ہیں جس میں ناچنے گانے والی پیشہ ور عورتیں اور مرد حصہ لیتے ہیں، جس میں بے حیائی پر مبنی حرکتوں اور بازاری عشقیہ گانوں سے لوگوں

کو محظوظ کر کے ان کے ایمان و اخلاق کو برباد کیا جاتا ہے۔

چوتھے نمبر پر شادی ہال نکاح اور ولیمے کی تقریبات میں اول سے آخر تک میوزک کی دھنوں سے گونجتا رہتا ہے اور اس طرح نکاح اور ولیمے کی بابرکت تقریبات بھی شیطان کی آماج گاہ بنی رہتی ہے۔

ان تمام خرافات اور شیطانی رسومات و حرکات کے جواز کے لیے ان احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے جن میں شادی اور عید یعنی خوشی کے موقعے پر چھوٹی بچیوں کو دف بجانے اور قومی مفاخر پر مبنی نغمے اور ملی ترانے گانے کی اجازت دی گئی ہے۔

۱۔ جیسے حضرت ربیع بنت معوذ بیان کرتی ہیں کہ جب میری رخصتی عمل میں آئی تو رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس اس طرح آ کر بیٹھ گئے جیسے تو میرے پاس بیٹھا ہے (راوی سے خطاب ہے) تب چھوٹی بچیاں (خوشی کے طور پر) دف بجا کر شہدائے بدر کا مرثیہ پڑھنے لگیں۔ اچانک ان میں سے ایک بچی نے کہا:

((وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ)) ''ہمارے اندر ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔''

نبی ﷺ نے سن کر فرمایا:

((دَعِيْ هٰذِهِ وَقُوْلِيْ بِالَّذِيْ كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ)) ''اس کو چھوڑ اور وہی کہہ جو پہلے کہہ رہی تھی۔''

صحیح البخاری، النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح و الولیمة، حدیث:٥١٤٧

صحابۂ کرام (چھوٹے بڑے سب) صحیح العقیدہ تھے۔ اس لیے بچی کے مذکورہ قول کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس میں نبی ﷺ کی بابت عقیدۂ علم غیب کا اظہار تھا بلکہ آپ کی رسالت کا اظہار تھا، رسول پر وحی کا نزول ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو اپنے احکام سے بھی مطلع فرماتا ہے اور آئندہ آنے والے واقعات سے بھی بعض دفعہ باخبر کر دیتا ہے۔ بچی کے شعری مصرعے کا مطلب اسی وحی الٰہی کا اثبات تھا، پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے اس کو اس طرح کہنے سے روک دیا کہ مبادا بعد کے لوگ بدعقیدگی کا شکار ہو جائیں۔ علاوہ ازیں ایک دوسری روایت میں صراحتاً بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَلَا يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ إِلَّا اللّٰهُ)) ''کل کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔''

طبرانی، بحوالہ: ''آداب الزفاف'' (للالبانی، ص:٩٥)

بہر حال اس واقعے سے خوشی کے موقعے پر چھوٹی بچیوں کا اشعار پڑھ کر اظہار مسرت کرنے کا اثبات ہوتا ہے۔

۲۔ عہد نبوی کا ایک دوسرا واقعہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لڑکی کو نکاح کے بعد شب زفاف کے لیے تیار کر کے اس کے خاوند (ایک انصاری مرد) کے پاس بھیجا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے پوچھا: تمہارے پاس لھو نہیں ہے؟ ((مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ؟)) انصار کو لھو پسند ہے،

((فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ)) صحیح البخاری، النکاح، حدیث:۵۱۶۲

حافظ ابن حجر کہتے ہیں، ایک دوسری روایت میں مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ کی جگہ الفاظ ہیں۔

((فَهَلْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا جَارِيَةً تَضْرِبُ بِالدُّفِّ وَتُغَنِّي))

''کیا تم نے اس کے ساتھ کوئی بچی (یا لونڈی) بھیجی ہے جو دف بجا کر اور گا کر خوشی کا اظہار کرتی۔''

اسی طرح، فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوَ کی جگہ دوسری روایت میں ہے۔

((قَوْمٌ فِيهِمْ غَزَلٌ)) ''انصاریوں میں شعر و شاعری کا چرچا ہے۔''

فتح الباری، النکاح، زیر تحت حدیث مذکورہ:۹/۲۸۲۔

اس دوسری روایت کے الفاظ سے پہلی روایت میں وارد لفظ لَهْوَ کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ واقعہ مذکورہ میں اس سے مراد چھوٹی بچی کا دف بجا کر اور قومی گانا گا کر اظہار مسرت کرنا ہے۔

۳۔ محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الدُّفُّ وَالصَّوْتُ فِي النِّكَاحِ))

''حرام اور حلال کے درمیان فرق کرنے والی چیز دف بجانا اور نکاح میں آواز بلند کرنا ہے۔''

سنن النسائی، النکاح، باب اعلان النکاح بالصوت......، حدیث:۳۳۷۱۔

۴۔ ایک اور واقعہ احادیث میں بیان ہوا ہے، عامر بن سعد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک شادی میں گیا، وہاں دو صحابیٔ رسول حضرت قرظہ بن کعب اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں چھوٹی بچیاں گانا گا رہی ہیں۔ میں نے دونوں صحابیوں سے کہا: تم

دونوں اصحاب رسول اور اہل بدر (جنگ بدر کے شرکاء) میں سے ہو، تمہاری موجودگی میں یہ ہو رہا ہے؟ انہوں نے فرمایا:

''شادی کے موقعے پر ہمیں لَهْــو (چھوٹی بچیوں کے قومی گیت وغیرہ گا کر اظہار مسرت کرنے) کی رخصت دی گئی ہے، تمہارا جی چاہتا ہے تو سنو، جانا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی ہے۔''

سنن النسائی، النکاح، باب اللهو و الغناء عند العرس، حدیث:۳۳۸۵۔

مذکورہ روایات سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

ان احادیث سے دو باتوں کا اثبات ہوتا ہے۔ ایک دف بجانے کا اور دوسرے، ایسے گیتوں اور شعروں کے گانے اور پڑھنے کا جن میں خاندانی شرف ونجابت کا اور آباؤ واجداد کے قومی مفاخر کا تذکرہ ہو لیکن ساری متعلقہ صحیح احادیث سے ان دونوں باتوں کی جو نوعیت معلوم ہوتی ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

ا۔ خاص موقعوں پر دف بجایا جا سکتا اور قومی گیت گایا جا سکتا ہے، جیسے شادی بیاہ کے موقعے پر یا عید وغیرہ پر، جس کا مقصد نکاح کا اعلان کرنا اور خوشی کا اظہار کرنا ہے، تاکہ شادی خفیہ نہ رہے۔ اسی لیے یہ حکم بھی دیا گیا ہے۔

((اَعْلِنُوا النِّكَاحَ)) ''نکاح کا اعلان کرو۔''

صحیح ابن حبان، حدیث:۱۲۸۵، آداب الزفاف، ص:۹۷

یعنی علانیہ کرو، خفیہ نہ کرو۔ اس حکم سے مقصود خفیہ نکاحوں کا سد باب ہے جیسے آج کل ولی کی اجازت کے بغیر خفیہ نکاح بصورت لو میرج، سیکرٹ میرج اور کورٹ میرج کیے جا رہے ہیں، عدالتیں اور فقہی جمود میں مبتلا علماء ان کو سند جواز دے رہے ہیں حالانکہ احادیث کی رو سے یہ سب نکاح باطل ہیں، یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتے۔

۲۔ یہ کام صرف چھوٹی یعنی نابالغ بچیاں کر سکتی ہیں، بالغ عورتوں کو ان کاموں کی اجازت نہیں ہے اور نہ مردوں ہی کو اس کی اجازت ہے۔

۳۔ یہ کام نہایت محدود پیمانے پر ہو۔ محلے کی یا خاندان اور قبیلے کی بچیوں کو دعوت دے کر جمع نہ کیا جائے
۴۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ ان کاموں کی صرف اجازت ہے، ان کی حیثیت فرض وواجب اور امر لازم کی نہیں ہے۔ جیسے مذکورہ دو صحابیوں کے واقعے میں ہے، ((قَدْ رُخِّصَ لَنَا فِي اللَّهْوِ عِنْدَ الْعُرْسِ)) ''ہمیں شادی کے موقعے پر لَہْو کی رخصت دی گئی ہے۔''
۵۔ اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ ایک جائز کام، حدود وضوابط کے دائرے میں نہ رہے اور اس کا ارتکاب بہت سے محرمات ومنہیات تک پہنچادے تو ایسی صورتوں میں وہ جائز کام بھی ناجائز اور حرام قرار پائے گا۔

موجودہ حالات میں اظہار مسرت کا مذکورہ جائز طریقہ، ناجائز اور حرام ہے:

اس وقت مسلمانوں کی اپنے مذہب سے وابستگی اور اس پر عمل کرنے کی جو صورت حال ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اس لیے شادی بیاہ کے موقعوں پر وہ اللہ ورسول کے احکام کو بالکل پس پشت ڈال دیتے ہیں اور محرمات ومنہیات کا نہایت دیدہ دلیری سے ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ مہندی کی رسم اور اس میں نوجوان بچیوں کا سرعام ناچنا گانا، ویڈیو اور مووی فلمیں بنانا، بے پردگی اور بے حیائی کا ارتکاب، بینڈ باجے، میوزیکل دھنیں اور میوزیکل شو، آتش بازی وغیرہ۔ یہ سب کیا ہیں؟ یہ سب غیروں کی نقالی اور اسلامی تہذیب وروایات کے یکسر خلاف ہیں۔ اسلام سے ان کا نہ کوئی تعلق ہے اور نہ ہو ہی سکتا ہے۔

یہ صورت حال اس امر کی تائید کرتی ہے کہ موجودہ حالات میں دف بجانے اور قومی گیت گانے کی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ کوئی بھی شریعت کی بتائی ہوئی حد تک محدود نہیں رہتا اور محرمات تک پہنچے بغیر کسی کی تسلی نہیں ہوتی۔ بنابریں اسلام کے مسلمہ اصول سَدًّا للذریعة کے تحت یہ جائز کام بھی اس وقت ممنوع ہی قرار پائے گا جب تک قوم اپنی اصلاح کر کے شریعت کی پابند نہ ہو جائے اور شریعت کی حد سے تجاوز کرنے کی عادت اور معمول کو ترک نہ کردے۔

صدقہ جاریہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله عنه قَالَ. قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا مَاتَ ابْنُ اٰدَمَ انْقَطَاعَ عَمَلُهُ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ ، صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ اَوْعِلْمٍ یَّنْتَفَعُ بِهٖ ، اَوْوَلَدٍ صَالِحٍ یَّدْعُوْ الَهٗ- (رواہ مسلم)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب آدمی فوت ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے البتہ تین چیزوں کا (ثواب جاری رہتا ہے) (۱) صدقہ جاریہ (۲) فائدہ مند علم (۳) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔“(مسلم)

صدقہ جاریہ وہ صدقہ ہوتا ہے جس کا نفع تادیر جاری وساری رہے جب تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں بندے کو اس کا اجر ملتا رہتا ہے۔ قرآن مجید اور دینی علم سے منور کتابیں وقف کرنا بھی ایک اچھا صدقہ جاریہ ہے کیوں کہ جو بھی ان کتابوں سے فائدہ اٹھائے گا بندے کو اسکا اجر ملتا رہے گا۔

علم دین خود حاصل کرنا اور دوسروں تک پہنچانا اس کا نفع بھی قیامت تک انشاء اللہ جاری و ساری رہے گا۔ درجہ بدرجہ ہر مسلمان کی ذمہ داری تو ہے ہی لیکن ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خود بھی قرآن اور حدیث کا علم حاصل کریں اور اس کے مطابق عمل بھی کریں اور کتابی صورت میں بھی دوسرے مسلمان بھائیوں تک پہنچائیں۔

اپنی طرف سے اور اپنے پیاروں کی طرف سے صدقہ جاریہ بنانے کے لئے یہ کتاب حاصل کرنے کے لئے رابطہ کریں۔ کتاب خود پڑھ کر کسی اور کو دے دیں۔

خلیل احمد ملک
0333-4222678

+92 42 373 61 505, +92 372 44 404
+92 333 43 34 804, +92 324 43 36 123

dk.salafiyyah@gmail.com اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور